رجسٹرڈ نمبر ۱۔ ۲۹۰۲

دائرۂ حمیدیہ کی اعانت

دائرہ حمیدیہ کی خدمت و اعانت، کتاب الٰہی کی خدمت و اعانت ہے۔ اسکی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ جو حضرات سو روپے یکمشت دائرہ کو عنایت فرمائیں گے وہ دائرہ کے معاون دائمی متصور ہونگے ان کو دائرہ کا رسالہ "الاصلاح" اور تمام مطبوعات برابر ہدیۃً دی جائیں گی۔

۲۔ جو حضرات پچاس روپیہ یکمشت عنایت فرمائیں گے۔ ان کو رسالہ الاصلاح اور دائرہ کی دوسری مطبوعات برابر نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

۳۔ جو حضرات دس روپے سالانہ عنایت فرمائیں گے ان کی خدمت میں الاصلاح ہدیۃً جاری کیا جائے گا اور سال بھر کی مطبوعات بلا قیمت بھیجی جائیں گی۔

ہدایات و قواعد

۱۔ الاصلاح ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تک شایع ہوگا۔

۲۔ اگر مہینہ کے آخر تک پرچہ نہ پہنچے، فوراً دفتر کو لکھ کر منگوا لیجئے ورنہ بقیمت بھیجا جائے گا۔

۳۔ مضامین وغیرہ اڈیٹر کے نام بھیجئے اور دفتر سے متعلق امور کے لئے تمام خط و کتابت منیجر سے کیجئے۔

۴۔ دفتر سے خط و کتابت کرنے میں خریداروں کو نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔

۵۔ چندہ سالانہ چار روپے۔ بیرون ہند کے لئے چھ روپے۔ فی پرچہ چھ آنے۔

عبد الاحد اصلاحی منیجر دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ

عبد الاحد طابع و ناشر نے الاصلاح پریس مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ میں چھاپ کر شایع کیا

الاصلاح

دائرہ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

امین احسن اصلاحی

دائرہ حمیدیہ کی اردو مطبوعات

تفسیر سورۂ اخلاص

استاذ امام علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ اس [illegible] ہر دور میں بیشمار تفسیریں لکھی گئیں۔ لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہیؒ کی تفسیر [illegible] جو نکتے بیان ہوئے ہیں۔ ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت: ۵ر

تفسیر سورۂ کوثر

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ الکوثر کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں کوثر [illegible] تحقیق، خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت اور نماز اور قربانی کے اسرار و حقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس [illegible] اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت جاذب نظر۔ کاغذ عمدہ۔ تقطیع ۳۰×۲۰/۱۶ حجم ۱۲۲ صفحے قیمت: ۸ر

تفسیر سورۂ لہب

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ اللہب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بد دعا ہے۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت بہتر۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ حجم ۴۰ صفحے قیمت ۶ر

منیجر

جلد ۳	ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۸ء	نمبر ۲

فہرست مضامین

شذرات	امین احسن اصلاحی	۶۵-۷۲
معارف قرآن		
تفسیر سورۂ مرسلات	استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ	۷۳-۸۴
ذبیح کون ہے؟	" " "	۸۵-۹۳
مذاکرہ		
"تحقیق قربانی" اور "تفسیر بیان للناس"	امین احسن اصلاحی	۹۴-۱۰۹
مقالات		
عربوں اور ترکوں کے اختلاط پر ایک تاریخی نظر	جناب مولوی عبداللطیف صاحب اعظمی	۱۱۰-۱۱۸
حکمت غرب		
مارکس اریلیس کے خیالات	جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے	۱۱۹-۱۲۲
ادبیات		
رسالت اور خاصان رسالت	جناب مولانا اقبال احمد صاحب سہیل اعظم گڈھ	۱۲۳-۱۲۵
تلخیصات		
قرآن کی قولی اور عملی تفسیر	اقتباس از "معارف"	۱۲۶-۱۲۷

شذرات

علماء اور سیاست

پچھلی اشاعت میں ہم نے ان لوگوں کے خیالات پر تنقید کی تھی جو علماء کو سیاست کے میدان سے محض اس جرم میں نکال دینا چاہتے ہیں کہ وہ انگریزی نہیں جانتے۔ معزز معاصر پیام (حیدرآباد دکن) نے ۲ فروری ۳۸ء کی اشاعت میں ہمارے خیالات پر اعتراض کیا ہے اور جو لوگ علماء کی سیاسی دخل درمعقولات کے مخالف ہیں، ان کے عذرات بیان کئے ہیں۔ ہم معاصر موصوف کی رائے سے حرف حرف متفق ہیں اور ہرگز یہ خیال نہیں رکھتے کہ علماء انگریزی یا موجودہ علوم و فنون نہ سیکھیں۔ اس معاملہ پر الاصلاح کے صفحات میں ہم جو کچھ لکھ چکے ہیں چونکہ وہ معاصر موصوف کے سامنے نہیں ہیں، اس لئے ہمارا نقطۂ نظر سمجھنے میں اس کو غلط فہمی ہوئی۔ خود وہ تحریر بھی جس پر معاصر موصوف نے تنقید کی ہے، ناتمام تھی اور اسکے بقیہ حصہ میں یقیناً وہی باتیں بیان ہوتیں جن کی طرف پیام نے اشارہ کیا ہے، صرف الفاظ اور لب و لہجہ میں شاید فرق ہوتا۔

ہم ہرگز یہ خیال نہیں رکھتے کہ علماء موجودہ علوم و فنون سے واقفیت کے بغیر موجودہ زمانہ میں اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال سکتے ہیں۔ علماء نے اس معاملہ میں تغافل کی جو روش اختیار کی ہے وہ نہ صرف افسوسناک بلکہ ہمارے لئے تباہ کن ہے۔ زمانہ کی بساط بدل چکی ہے۔ اب نہ وہ پرانا فلسفہ باقی رہا نہ پرانا علم کلام۔ خیالات نئے، شبہات نئے، اعتراضات نئے، بحث و نظر کا انداز مختلف، تحقیق و تنقید کی روش انوکھی، زندگی کا آئین نرالا، علوم و فنون کا ڈھانچہ دوسرا، سیاست یورپ کی گفتگو عجم کی، غرض زندگی اور متعلقات زندگی کا ہر باب بالکل متغیر ہو چکا ہے۔ ایسی حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ علماء کے اوپر مذہب اور قوم کی خدمت کی جو ذمہ داریاں، اور بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کو ٹھیک ادا کرنے کیلئے انھیں اپنی روش میں تبدیلی نہ کرنی پڑے گی۔ ہم اپنی گذشتہ تاریخ کے مختلف دوروں میں، علماء کو مختلف بھیسوں میں

دیکھتے ہیں۔ وہ جب تک سادہ عرب کی سادہ فطرت کی بساط پر تھے، ان کی زبان زمزمہ سنج حدثنا و اخبرنا رہی، پھر جب عجم کی موشگافیوں اور فلسفہ طرازیوں سے دوچار ہوئے تو وہی حدثنا و اخبرنا اور وہی قال اللہ و قال الرسول، دوسرے بھیسوں اور دوسری شکلوں میں نظر آنے لگا۔ روح کبھی نہیں بدلی مگر قالب بار بار بدلا۔ حقیقت ہمیشہ ایک ہی رہی مگر اس نے اظہار کی نہ جانے کتنی روشیں اختیار کیں۔

ہمارے علماء کی یہی خوبی تھی جس کی وجہ سے انھیں پوری اسلامی تاریخ کے کسی دور میں کوئی آشیانہ بالائے سیاست (above Politics) نہیں بنانا پڑا۔ وہ کبھی عبدالمجید آفندی بن کے نہیں رہے۔ اور نہ کبھی یہ نوبت آئی کہ برطانوی سیاست کی مشہور اصطلاح "تاج" کی طرح ایک خیالی معبود بن کے رہ جائیں۔ جو ہے تو شہنشاہ بحر و بر اور خداوند ارض و سما مگر بالڈون جیسے "پیادے" بھی جب چاہیں اس کی راہ روک کر کھڑے ہو جائیں۔ وہ ہمیشہ زندگی کی معرکہ گاہ میں نبرد آزما رہے، مسجد کے منبر سے کر بادشاہ کے تخت تک جو کچھ تھا سب ان ہی کا تھا۔ زمانے نے ہزار پلٹے کھائے مگر اس کا سر رشتہ انہی کے ہاتھ میں رہا، اسلئے کہ وہ اہل تھے، قابل تھے، زمانہ کی ضرورتوں اور اسکے رجحانات سے واقف تھے اور یقیناً انہی کا صدقہ تھا کہ سب کچھ ہوا، مگر کسی نہ کسی شکل میں ہر چیز پر اسلامی رنگ چھایا رہا۔ مگر جب وہ پیچھے رہ گئے تو زمانہ نے ان کو اٹھا کر پھینک دیا۔ اور پھر ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دفعتہً سوئٹزرلینڈ کا پرسنل لا۔ اٹلی کا قانون تعزیرات، جرمنی کا قانون تجارت ہماری تعزیرات اور ہمارے پرسنل لا پر بازی لے گیا اور خود ہمارے ہی گھر کے اندر!۔

مگر ان تمام باتوں کے باوجود ایک حقیقت قابل غور ہے اور ہم کو نہایت تعجب ہوگا اگر پیام کے قابل و تجربہ کار اڈیٹر کی عمیق اور دور رس نظر سے وہ مخفی رہ جائے۔ وہ یہ کہ ایک چیز ہے مسلمانوں کی سیاست، اس کا قوام، اس کا مزاج، اس کا ہیولیٰ، اس کا رجحان اور جامع لفظوں میں اس کی روح اور اسپرٹ اور ایک شے ہے زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کی تنفیذ، اس کی تشکیل، اس کی ترجمانی اور اس کی نمائندگی۔ ان دونوں چیزوں میں

نمایاں فرق ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔ اگر معاصر موصوف اس کو تسلیم کرتا ہے کہ قرآن ایک مکمل ضابطۂ زندگی ہے تو یقیناً جو جماعت اس ضابطۂ زندگی سے واقف ہے اسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ہماری سیاست کی نبض پر ہاتھ رکھے اور بتائے کہ یہ مریض ہے یا تندرست اور اسکے علاج و مداوا کیلئے نسخے لکھے۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ دوا گھسنے اور لگانے کے لئے ایک عطار کی بھی ضرورت ہوگی، لیکن اگر خدانخواستہ معاملہ بالکل منقلب ہو کر یوں ہو جائے کہ نسخہ تو کمپونڈر لکھے اور دوا کا گھسنا اور لگانا ڈاکٹر کے ذمہ کر دیا جائے تو غریب مریض کا کیا حشر ہوگا؟۔

ایک روزنامہ کے دفتر میں مختلف زبانوں سے خبروں اور مضامین کے ترجمہ کے لئے بہت سے مترجم ہوتے ہیں، کتابت کیلئے کاتب ہوتے ہیں، کمپوز کرنے کیلئے کمپوزیٹر ہوتے ہیں، اصلاح سنگ کیلئے مصلح ہوتے ہیں، پریس مین ہوتے ہیں، کاغذ اٹھانے والے ہوتے ہیں، دفتری ہوتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا ہوتے ہیں اور یہ سب عناصر کار یقیناً معاصر پیام کے دفتر اور کارخانے میں بھی ہوں گے۔ لیکن اخبار کی پالیسی کون ڈکٹیٹ کرتا ہے؟ ایسا تو شاید کبھی نہ ہوتا ہو کہ اخبار کا کاتب یا خبروں کا مترجم اڈیٹر کی میز پر بیٹھ کر اخبار کی سیاست پر فرمانروا بن جاتا ہو۔

"ہر مردے وہر کارے"

پس ہم نے اپنے شذرات میں اسی چیز کی طرف توجہ دلائی تھی کہ علماء کو دھکے دیکر سیاست سے نکالنے کے معنی یہ ہیں کہ باورچی رب البیت بننا چاہتا ہے اور وکیل مالک جائداد ــــــــــ امید ہے کہ ان اشارات کے بعد واضح ہوگیا ہوگا کہ ہمارے اشارات صحیح سمت میں تھے۔ البتہ دیکھنے والے کی نگاہ کو دھوکا ہوا۔ اور اس معاملہ میں بہت کچھ دخل اس بیگانگی کو بھی ہے جو فریقین کو ایک دوسرے کے خیالات سے ہے۔

شکوہ اور جواب شکوہ

معزز انگریزی معاصر ٹروتھ لاہور کے فاضل اڈیٹر نے اپنی یکم فروری کی اشاعت میں شکایت کی ہے کہ

باہم علم و فضل، اور جہاد و ایثار فی سبیل اللہ اور شرف نسب و حسب انکا ایمان بعض مسلم اخبارات اور رسائل کے نزدیک اب تک مشتبہ ہے اسلئے اپنے بعض معاصرین کو، جن میں ناچیز الاصلاح بھی شامل ہے، انھوں نے دعوت دی ہے کہ وہ ایک مرتبہ اسلام کو وہ عقائد، جن کے قبول کرنے سے ایک شخص مسلمان ہوتا ہے، صاف صاف لفظوں میں بتا دیں کہ کفر و اسلام کے حدود متعین ہو جائیں۔

اس سوال کا تعلق جہاں تک اڈیٹر الاصلاح سے ہے، اس کا جواب با ہر گونہ اعتراف جہل و قصور عمل و اقرار بے مائگی و تہیدستی، و حرمان شرف حسب انتساب عرض ہے کہ آپ جس سے اپنی خستگی کی داد چاہتے ہیں وہ کچھ آپ سے بھی زیادہ اس تیغ ستم سے مجروح ہے۔ اور بے داغ تو شاید اس پورے طائفہ میں مشکل ہی سے کوئی نکلے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم نالہ و شیون نہیں کرتے اور ممکن ہے کہ اپنے علم و عمل کی بے چیزی کی شرم دامنگیر ہوتی ہو لیکن آپ جیسے لوگوں کو یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے کہ زخمی اگر آہ و فریاد نہیں کرتا تو اس سے اس کی دادرسی کا حق سوخت نہیں ہو جاتا!

ہاں! اگر اجازت ہو تو ایک امر نہایت ادب سے گذارش کریں کہ آپکی اتنی ہوشیاری و کاروانی کے باوجود مُخر (Andre Servier) کا ایک نشتر آپ کو زخمی کر ہی گیا۔ اس کی عیاریوں اور خدع و فریب کی ملمع کاریوں کے باوجود آپ اس کی اس چال کو تو تاڑ گئے کہ اس فتین کے میٹھے لفظوں میں مغربی سیاست کی چھریاں پوشیدہ ہیں جن سے وہ شمالی افریقہ کے عربوں اور بربروں کے اسلامی رشتۂ اخوت کو کاٹ دینا چاہتا ہے۔ لیکن ادھر آپ کی نظر نہیں گئی کہ اس کی آستین میں ایک اور نشتر بھی ہے جس سے خود آپ کی رگِ گلو زخمی ہو رہی ہے۔

ع آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں خنجر کھلا۔

حالانکہ آپکو سوچنا تھا کہ جس خط لعنیز کے ہاتھ میں رشتۂ اسلام کی قطع و برید کیلئے اتنا تیز خنجر ہے وہ دفعتہً دو ہی سطر کے بعد اتنا فرشتہ نہیں بن سکتا کہ اسلام اور مسلمانوں کے جمود کے غم میں سینہ کوبی شروع کر دے۔

آپ جیسے واقف رموز دین و سیاست سے کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھلانا ہے۔ لیکن مجبوراً عرض کرنا پڑتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے جمود کا یہ مرثیہ، جس نے آپکے دل کے تمام کہنہ زخم ہرے کر دئے ہیں،

اسلام کے غم میں نہیں ہے، یہ بھی مغربی سیاست کی ایک ادا ہے گو اس کا کوئی نام نہ ہو۔

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

آپ کو شاید معلوم ہو کہ مراکو وغیرہ کے مسلمانوں میں ادھر ایک نئی تحریک نمودار ہوئی ہے۔ ایک عرصہ تک وہ مغربی تہذیب کے رنگ میں ایسے رنگے گئے تھے کہ ان کی روح اور ان کا قالب دونوں مسخ ہو گیا تھا لیکن جدید بیداری نے اب ان میں ردعمل کی کیفیت پیدا کر دی ہے یعنی ایک مدت تک مغربی مظالم کے ہدف رہنے کے بعد اب جو انھوں نے کروٹ بدلی ہے تو صرف یہی نہیں کہ وہ فرانس سے اپنا سیاسی رشتہ کاٹ لینا چاہتے ہوں بلکہ اپنی کھوئی ہوئی تہذیب اور اپنے گم شدہ کلچر کو بھی زندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی ذہنی انقلاب کے روک تھام کے لئے آپ کے محبوب فرنچ مصنف نے ایک طرف تو یہ چاہا کہ عربوں اور بربروں میں نسلی منافرت کا بیج بو کر پھوٹ ڈالے کہ پھوٹ ڈال کر حکومت کرنا ہی مغربی سیاست کا اصلی ہنر ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کے جمود، ان کی قدامت پرستی اور توہم پسندی پر مرثیہ خوانی کی کہ ان میں اپنی مدنیت کی طرف عود کا جو میلان پیدا ہو رہا ہے اور جو یقیناً فرانس کی کامیابی کی راہ میں ایک شدید روکاوٹ ہے، کچھ مدھم پڑے۔ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ سیاست کے ان دونوں جالوں میں سے دوسرا زیادہ خوفناک ہے، کیونکہ اس میں آپ جیسا طائر بلند آشیانہ بھی پھنس گیا یعنی اس کی ہمنوائی میں بے تکان آپ نے بھی اسلام اور مسلمانوں کے جہل وجمود پر خطبہ شروع کر دیا اور تجدد و فرنجیت کا راگ الاپنے لگے۔

اُف! یورپ کی زبان میں بھی کیا جادو ہے! جو سحر فرانس اور شمالی افریقہ کے تمام بر و بحر اور دشت وجبل طے کرتا ہوا لاہور تک پہنچ گیا اور ہماری الٰہیات و اسلامیات کے ائمہ تک اس کی زد سے محفوظ نہیں تو وہ پاس ہی مراکو کے سادہ لوح عربوں اور بربروں پر کیا کچھ غضب نہ ڈھائے گا!!۔

جرم اور پاداش جرم

دسمبر کے الاصلاح میں ہم نے مسلم لیگ پر ایک نوٹ لکھا تھا۔ وہ نوٹ بہت سے اخباروں میں

چھپا اور الاصلاح کے حوالہ سے چھپا۔ لیکن معاصر آفتاب لکھنؤ نے نہ معلوم کس غلط فہمی کی بنا پر اسی مضمون کو مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے نام سے چھاپ دیا۔ اور اب سید صاحب قبلہ اس مضمون کی پاداش میں مختلف مسلم لیگی اخبارات میں گالیاں سُن رہے ہیں۔ ان گالیوں کی شاید سید صاحب قبلہ کو توچنداں پروا نہ ہو مگر الاصلاح کو یہ شکایت ضرور ہے کہ گالی ہو یا دعا ہر چیز بڑوں ہی کو ملتی ہے، چھوٹوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ زمانہ کی ذہنیت اس درجہ اقتدار پرست ہو گئی ہے!۔

ہمارے اخبارات کے اڈیٹروں کا بھی عجیب حال ہے۔ سید صاحب کے انداز تحریر کی متانت و سنجیدگی اور اس کی سادگی و پرکاری معروف و مسلم ہے۔ ہر پڑھا لکھا آدمی اس کو جانتا ہے اور جاننا چاہئے۔ لوگوں کو اس مضمون کا پہلا ہی جملہ پڑھکر سمجھ لینا تھا کہ یہ اُن کی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ وہ انتہائی غصہ میں بھی کبھی اپنی روش نہیں بھولتے۔ یا تو ان کو غصہ آتا نہیں یا ان کا قلم غصہ سے بھی زیادہ طاقتور ہے کہ کبھی اس سے مغلوب نہیں ہوتا۔ وہ تو طنز کا لہجہ بھی کبھی انہی حالتوں میں اختیار کرتے ہیں جن حالتوں میں دوسرے تلوار چلا دیا کرتے ہیں۔ پس جن حضرات نے اس مضمون کو سید صاحب کی طرف منسوب کیا انھوں نے اپنی ادبی بدذوقی کا نہایت افسوسناک ثبوت دیا ہے۔

اور ہم نہایت سخت حیران ہیں کہ آخر یہ مسلم لیگ والے گالیاں کیوں دیتے ہیں؟ آخر یہ کونسا اسلامی کلچر ہے؟ ہمارے مذہبی صحیفہ میں تو تنابز بالالقاب کی سخت ممانعت وارد ہے۔ بحث ہمیشہ اصول پر ہونی چاہئے۔ اشخاص و افراد کا نام اولاً تو آنا نہ چاہئے اور اگر آئے تو سب وشتم تو ایک مسلمان کے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے اذا ذکرتم الکفار فعمموا فانکم اذا خصصتم غضب الابناء للآباء کفار کا ذکر بھی زبان پر آئے تو تعمیم کے ساتھ آئے تخصیص کر کے کہو گے تو بیٹوں میں باپوں کیلئے غیرت پیدا ہو گی۔ جب کفار کے ساتھ ہمارا معاملہ یوں ہونا چاہئے تو پھر اپنوں کے ساتھ ہماری یہ فحاشی کب جائز ہو سکتی ہے؟ آنحضرت صلعم نے کبھی نام لے کر کسی کو برا نہیں کہا اگر کبھی کسی کی برائی پر آپ اظہار غضب فرماتے

تو اس پر تعمیم کا پردہ ڈال دیتے۔ مابال قوم یفعلون کذا وکذا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ البر شئی ھین وجہ طلیق وکلام لین۔ نیکی اور اطاعت کی راہ بہت آسان ہے۔ بشاش چہرہ اور شیریں زبان

الاصلاح میں اختلاف رائے کے جوش میں کبھی کبھار جو کسی قدر ترش فقرے نکل جاتے ہیں، یقیناً ان کا محرک ہمیشہ حمایت حق کا جذبہ ہی نہیں ہوتا ہے۔ اور نہ محض قلم کا بچپن ہے۔ نفس بڑا خادع ہے، اس میں بہت کچھ شوق جواب اور نکتہ چینی کی خواہش بھی کارفرما ہوتی ہوگی۔ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ۔ بعض صحابہ سے مروی ہے۔ قال ان الرجل لیکلمنی بالکلام لجوابہ اشھی الیّ من الماء البارد الی الظمآن فاترکہ جوابہ خیفۃ ان یکون فضولا۔ بعض مرتبہ کوئی شخص کوئی بات کہتا ہے۔ مجھے اس کا جواب سوجھتا ہے اور وہ مجھے اس سے زیادہ لذیذ معلوم ہوتا ہے جتنا پیاسے کو ٹھنڈا پانی مگر میں اس ڈر سے چپ رہجاتا ہوں کہ مبادا فضول گوئی ہوجائے۔ آج ان روایات و آثار کو پڑھکر حیرت ہوتی ہے کہ ہم کیا سے کیا ہوگئے۔ ایک وہ تھے جو باتوں کا معقول جواب بھی اس اندیشہ سے نہیں دیتے تھے کہ فضول گوئی کے محاسبے سے محفوظ رہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ زبان قلم پر اگر کوئی فقرہ آگیا ہے تو اس کو کہیں گے ضرور چاہے کتنوں ہی کے دل اس سے پارہ پارہ ہوجائیں۔ یہ ہماری قوم کے مہذب اور اونچے ارباب قلم کا شیوہ ہے۔ پھر ان بیچاروں کا کیا ذکر جو گالیوں ہی میں پلے، گالیوں ہی میں جینگے اور افسوس کہ شاید گالیوں ہی میں مریں گے؟۔

ہم لوگوں میں مسلمان بننے کی ہمت نہیں ہے، نہ سہی، کیا ایک مہذب اور متمدن قوم بننے کی بھی امنگ نہیں ہے!! اوصیکم وایای بتقوی اللہ۔

معارف قرآن

تفسیر سورۂ مرسلات

۲

تالیف استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ

ہواؤں کی شہادت اور آیات کا نظم و موقع

ہم اپنے رسالہ "الامعان فی اقسام القرآن" میں بیان کرچکے ہیں کہ قسمیں مقسم علیہ پر دلیل و شہادت ہوتی ہیں۔ پس یہاں بھی ان ہواؤں کا ذکر اسی مقصد سے ہوا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بیان میں ان کے مختلف پہلو نمایاں کئے گئے ہیں۔ وہ چھوڑ دیجاتی ہیں، تیز و تند ہوجاتی ہیں، بادلوں کو لاد کر لاتی ہیں، نباتات کو اگاتی ہیں، حیوانات کی پرورش کا سامان کرتی ہیں، پھر ہر زمین کے ساتھ ان کا معاملہ یکساں نہیں ہوتا، اس میں فرق و اختلاف ہوتا ہے کہیں پانی برساتی ہیں اور کہیں خشک و بنجر چھوڑ جاتی ہیں، ایک قوم کو اپنی خیر یوں اور شادابیوں کی دولت سے مالامال کردیتی ہیں اور دوسری کو اپنے اولوں اور بگولوں اور کڑک اور دمک کی آفتوں سے تباہ کردیتی ہیں۔

یہ سب حالتیں اور خصوصیتیں اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ واضح ہو کہ ان کی باگ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس کی قدرت و حکمت ان پر پورا تصرف رکھتی ہے۔ وہ اپنی عام حالت میں خدا کی رحمت کے لئے پیام بشارت ہیں لیکن، جب وہ چاہتا ہے ان کے ذریعہ ایک ظالم قوم کو ہلاک و برباد کردیتا ہے اور دوسری مظلوم لیکن صالح قوم کو ساحل نجات تک پہنچا دیتا ہے۔ کبھی ان کی باگیں ڈھیلی کردیتا ہے اور کبھی کھینچ لیتا ہے۔

یہ تمام باتیں سورہ ذاریات کی تفسیر میں ہم بیان کر آئے ہیں اور قرآن مجید نے متعدد مواقع پر اس قدر توضیح و تفصیل کے ساتھ ان کو دہرایا ہے کہ یہاں دلائل کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

انہی ظاہری احوال و آثار پر قرآن نے ایک عظیم الشان حقیقت کی بنیاد رکھی ہے، یعنی دنیا میں ہواؤں کے جو تصرفات ہم دیکھتے ہیں، اور ان سے رحمت و عذاب، بخشش و انعام، اور نفع اور نقصان کے جو مظاہر ہمارے مشاہدہ میں آتے ہیں ان ہی سے ایک روز جزا کے وقوع پر دلیل قائم کی ہے، کیونکہ قانون جزا و سزا کی اتنی نشانیاں اور دلیلیں ان کے اندر نمایاں ہیں کہ کوئی شخص ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہ خدا کی پروردگاری، اس کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی تدبیر کی گواہی دیتی ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ وہ اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے، بلکہ اس کے انعام کی بخشش اور اس کے عذاب کے تازیانے آئے دن ان کے لئے نمودار ہوتے رہتے ہیں، پس جب یہ سب کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور ہم اپنی آنکھوں سے یہ عجائب روز دیکھ رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک ایسا دن نہ آئے جس میں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے۔

یہ جزا و سزا کے وقوع پر بنیادی دلیل ہے اور پوری طرح کفایت کرتی ہے لیکن یہاں معاملہ کی ایک خاص حالت اس سے کچھ زیادہ کی مقتضی ہوئی۔ کفار اپنی شدت غفلت کے باعث روز جزا کے دو وجہوں سے منکر تھے۔ ایک اس کے عجیب و غریب ہونے کی وجہ سے، دوسرے اس کی تاخیر کی وجہ سے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم بہت دنوں سے اس کی آمد کی دھمکیاں سن رہے ہیں لیکن وہ آتی نہیں، پس موقع مقتضی ہوا کہ کلام کا اسلوب ایسا ہو کہ ان دونوں شبہات کا آپ سے آپ جواب نکل آئے۔

چنانچہ پہلے شبہ کو یہاں یوں دور کیا کہ روز قیامت کی جو تفصیلات بیان فرمائیں وہ تمام تر وہ ہیں جو ہواؤں کے فعل سے مشابہت رکھتی ہیں۔ مثلاً ہوائیں نشانات کو مٹا دیتی ہیں، آثار کو دبا دیتی ہیں۔ بادلوں کو اڑا لیجاتی ہیں اور بسا اوقات تیز ہو جاتی ہیں تو ان کے زور سے دیواریں ڈھ جاتی ہیں، چھتیں اڑ جاتی ہیں۔ عالیشان عمارتیں منہدم اور پارہ پارہ ہو جاتی ہیں۔ یہ ہمارے آئے دن کے مشاہدات ہیں۔ لیکن ابھی ان کو دیکھنے کے لئے ہماری آنکھیں

نہیں کھلی ہیں، قرآن مجید نے ان کی طرف اسی مقصد سے اشارہ کیا ہے کہ جو شخص ان کو سمجھ جائے گا وہ ایک ایسے دن کے ظہور کے متعلق شبہ میں نہیں رہ سکتا جس دن ستارے چھپ جائیں گے، آسمان کھل جائیں گے، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیونکہ ہواؤں کے عجائب تصرفات میں ان کی نشانیاں موجود ہیں اور پوری طرح واضح۔

دوسرا شبہ ایک عام شبہ تھا، اسی لئے قرآن مجید نے اس کا مختلف مواقع پر مختلف پیرایوں میں جواب دیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ	اگر اللہ مواخذہ کرتا ان کے ظلم پر تو روئے زمین پر
مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ	ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو مہلت دیتا ہے
وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا	ایک معین مدت تک پس جب ان کی مدت پوری
جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ	ہو جائے گی تو بے شک اللہ اپنے بندوں کا نگراں
بَصِيْرًا۔	حال ہے۔

یہاں اس سے کسی قدر مختلف پہلو اختیار فرمایا ہے۔ یہاں فرمایا ہے کہ وہ روز جزا، یوم الفصل، وہ دن فیصلہ کا دن ہوگا۔ پس رحمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ لوگوں کو مہلت بخشے اور نصیحت و عبرت کے زیادہ سے زیادہ مواعظ ان کے کانوں تک پہنچا دے تاکہ جو غافل اور بے پروا ہیں ان پر حجت تمام ہو جائے اور جن کے دلوں میں نصیحتوں کے سننے اور قبول کرنے کی کچھ صلاحیت ہے وہ اپنے لئے نجات کی راہ ڈھونڈ لیں کیونکہ جب وہ دن فیصلہ کا دن آ جائے گا تو مہلتوں کے دروازے بند ہو جائیں گے، پھر نہ تو غافلوں کے لئے توبہ کی فرصت باقی رہے گی اور نہ ان کا کوئی عذر مسموع ہوگا اور نہ ان کے پاس کوئی تدبیر ہی ایسی ہوگی جس سے وہ خدا کے انتقام کی سخت پکڑ اور اس کی عدالت کاملہ کے فیصلہ سے اپنے کو بچا سکیں۔ چنانچہ اس حقیقت کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے پہلے اس یوم الفصل کی عظمت و اہمیت کو بیان فرمایا، اس کے بعد ان لوگوں کی حماقت کو آشکارا کیا جو اس دن کی آمد کے منکر ہیں کیونکہ وہ ایک ایسے دن کے منکر ہیں جو اٹل ہے، اگرچہ اس کے ظہور میں دیر ہو، اس کو بعید سمجھے۔

پندرھویں آیت "ویل یومئذ للمکذبین" ہے۔ غور کرو کہ یوم الفصل اور یوم الجزاء کے ذکر کے بعد اس آیت کا آنا کتنا باموقع اور بلیغ اسلوب کلام ہے! ان دو جامع لفظوں کے اندر وہ سب بیان ہوگیا جو اس دن منکروں کے سامنے آئے گا۔ اس کے بعد خرابی کے اسباب اور اس کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل کر دی جو آگے دیکھوگے۔ اب ترجیع کے بعد اسی جامع مفہوم میں سے کوئی مناسب مقام پہلو نمودار ہو جائے گا۔

یہاں تک فطرت کے عام احوال و معاملات سے استدلال تھا۔ اس کے بعد کلام نے دوسری روش اختیار کرلی ہے۔ یعنی گذرے ہوئے واقعات، ثابت و قائم آثار، اور روزانہ ہونے والی سنۃ اللہ سے استشہاد پیش کیا گیا ہے اور یہ قرآن مجید کا ایک معروف انداز ہے۔ فرمایا۔

أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ (۱۶) ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ (۱۷) كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ (۱۸)
وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ (۱۹) أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ (۲۰) فَجَعَلْنَاهُ فِي
قَرَارٍ مَّكِينٍ (۲۱) إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ (۲۲) فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ (۲۳) وَيْلٌ
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ (۲۴) أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا (۲۵) أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا (۲۶)
وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ وَأَسْقَيْنَاكُم مَّاءً فُرَاتًا (۲۷) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِينَ (۲۸)

کیوں، ہم نے تباہ نہ کیا اگلوں کو، پھر ان کے پیچھے پچھلوں کو بھی، گنہگاروں کے ساتھ ہم یونہی کیا کرتے ہیں۔ اس دن منکروں کی خرابی ہے، کیا ہم نے تمھیں ایک بے حقیقت پانی سے نہیں بنایا، پھر اسے ایک آرام کی جگہ میں رکھا ایک مقررہ زمانہ تک، ہم نے مقرر کیا، کیا خوب ہم مقرر کرتے ہیں، اس دن منکروں کی خرابی ہے، کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا، زندوں اور مردوں کو، اور اس میں گڑے ہوئے اونچے پہاڑ بنائے اور خوش گوار پانی پلایا، اس دن منکروں کی خرابی ہے۔

۵- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی تاویل

۱- ۲۸

[مھین] مھنۃ کے معنی ہیں عدم اہتمام کے۔ یہیں سے ابتذال اور تحقیر کا مفہوم پیدا ہوگیا۔ امتہنت الشئی کے معنی ہوئے، تم نے اس کو حقیر و مبتذل خیال کیا۔ اسی سے ماھن ہے جس کے معنی نوکر اور غلام کے ہیں، مہنۃ کے معنی خدمت کے ہیں۔ مھنہ اس کی خدمت کی۔ قرآن مجید میں ہے ولا تطع کل حلاف مھین ہر لپاٹیے ذلیل کی بات نہ سنو۔ مھین یعنی مبتذل، ایک جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون کا قول نقل ہوا ہے۔ ام انا خیر من ھذا الذی ھو مھین ولا یکاد یبین

[قرار] قرار کے معنی سکون اور جائے سکون دونوں کے آتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کو دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔ وان الآخرۃ ھی دار القرار یعنی آخرت ہی سکون کا گھر ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ امن جعل الارض قرارا یہاں قرار کا لفظ موضع قرار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے یصلونھا وبئس القرار۔ اس میں داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ یہیں سے قرار کا لفظ زمین کے کسی گوشۂ ہموار و مطمئن کے لئے بھی استعمال ہوا۔ مثلاً فرمایا۔ وآوینھما الی ربوۃ ذات قرار و معین

[مکین] مکین کے معنی ہیں مطمئن۔ کبھی یہ جگہ کی صفت کیلئے آتا ہے، اس وقت معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایسی جگہ جو ہر طرح کے اضطراب و تزلزل سے بالکل مامون ہو۔ اور کبھی یہ ذوی العقول کی تعریف کے لئے آتا ہے اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں ایسا شخص جو بھروسہ اور اعتماد کے لائق اور مرتبہ کے لحاظ سے صاحب عزت و رسوخ ہو قرآن مجید میں ہے۔ عند ذی العرش مکین، مطاع ثم امین۔ بادشاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا انک الیوم لدینا مکین امین۔

[قدر] قدر الشئی۔ چیز کی مقدار اور اس کا اندازہ۔ انا کل شئی خلقنٰہ بقدر [illegible] ہر چیز

پیدا کیا ہے ایک اندازے کے ساتھ۔ دوسری جگہ ہے۔ وان من شیٔ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم۔ نہیں ہے کوئی چیز مگر ہمارے پاس اس کے خزانے موجود ہیں اور ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک معین اندازے کے ساتھ۔ سکون دال کے ساتھ بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قد جعل اللہ لکل شیٔ قدرا۔ دوسری جگہ ہے وکان امر اللہ قدرا مقدورا

[معلوم] معلوم کے معنی ہیں معین، شواہد و پر گذر چکے ہیں۔ جو چیز معین نہیں ہے، مبہم ہوگی، وہ معلوم نہیں ہو سکتی۔

[قدرنا] یہ قدر سے ہے بمعنی تقدیر کے یعنی اندازہ ٹھہرانا۔ شواہد اوپر گذر چکے ہیں اور قدرت سے بھی ہو سکتا ہے اور یہ معنی بھی نہایت معروف ہیں۔ یہاں دونوں معنی لگ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں اس کی ان دونوں صفتوں کی جلوہ گری ہے ...... قرآن مجید میں ان دونوں کے نظائر بھی موجود ہیں۔

[کفاتا] کفتہ، ضمہ وجمعہ۔ جمع کر لیا، اکٹھا کر لیا۔ حدیث شریف میں ہے۔ اکفتوا صبیانکم باللیل۔ رات میں اپنے بچوں کو اکٹھا کر لیا کرو۔ کفتہ عن وجہہ کے معنی ہیں کسی شے کو اپنے چہرہ سے ہٹا دیا۔ اسی سے کفت چھوٹی ہانڈی کے معنی میں ہے۔ عربی میں فعال کا وزن اس چیز کے لئے بھی آتا ہے جس کے ذریعہ فعل انجام پذیر ہو۔ مثلاً زمام۔ اسی معنی کے اعتبار سے اس میں فاعل کی قوت پیدا ہو گئی ہے اور اس کے بعد مفعول کا استعمال جائز ہو گیا۔

[رواسی شامخات] یعنی پہاڑ جن کی جڑیں زمین میں گڑی ہوئی اور چوٹیاں فضا میں بلند ہیں۔ صفت نے موصوف کو خود واضح کر دیا اس لئے موصوف کا ذکر نہیں ہوا۔ عربی میں یہ اسلوب بہت عام ہے اور قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں مل سکتی ہیں۔

[فرات] وہ پانی جو نہایت شیریں ہو۔ قرآن مجید میں ہے وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج۔ دوسری جگہ ہے۔ وما یستوی البحران ھذا عذب فرات سائغ شرابہ وھذا ملح اجاج۔ اسی وجہ سے کوفی نہر کو فرات کہتے ہیں۔

ان آیات کی تفسیر انکا نظم اور معاد پر انکی حجت

ان آیات میں تین فقرے اور تین ترجیعات ہیں اور یہ تینوں ترجیعات تین مستقل خطابات کے بعد بار بار نمودار ہوئی ہیں اور ہر خطاب استفہام اقراری سے شروع ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ تمام باتیں مخاطب کی جانی بوجھی ہوئی ہیں۔ پھر غور کرو، یہ تینوں خطابات تین مختلف پہلوؤں سے معاد پر دلیل پیش کرتے ہیں۔ پہلے خطاب میں، زمین کے آثار و نشانات سے استدلال ہے۔ دوسرے فقرے میں انسان کی خلقت اور رحم کے اندر اس کی پرورش اور صورت گری سے استشہاد ہے اور تیسرے میں اس زمین کو رحم کی مثال قرار دیا گیا ہے۔ اور اس پہلو سے معاد پر اس سے دلیل پیش کی گئی ہے۔

یہ اجمالی اشارات ہیں۔ چند لفظوں میں اس کی تفصیل سن لینی چاہئے۔

پہلا خطاب ان واقعات کو یاد دلاتا ہے جن کے آثار مخاطب کے گرد و پیش موجود ہیں۔ یعنی نافرمان قوموں کی ہلاکت و بربادی کے واقعات۔ اہل عرب خوب واقف تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں، مثلاً عاد و قوم لوط کو، ہوا کا عذاب بھیج کر ہلاک کر دیا۔ یہاں چونکہ ہوا کے تصرفات کی شہادت موجود تھی اور مقصود آس پاس کی معذب بستیوں کے آثار سے عبرت دلانا تھا، اس لئے معاملہ بغیر کسی تفصیل کے واضح تھا، چنانچہ واقعات کا ذکر نہیں فرمایا، صرف اجمال کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کر دیا۔ الم نھلک الاولین ...... کذلک نفعل بالمجرمین۔ لیکن دوسرے مقامات میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ	پس جب انھوں نے اس کو بدلی کی شکل میں اٹھتا
قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ	اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو بولے یہ تو ابر ہے جو ہم پر برسے گا۔
هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ	نہیں بلکہ وہ ...... چیز ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے
اَلِيْمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا	تند ہوا جس میں دردناک عذاب ہے، اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تہس نہس

لَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ نَجْزِى — کر دے گی۔ پس وہ اس طرح ہلاک ہو گئے
الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ .... — کہ ان کے گھروں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی
.... — ایسی ہی ہم بدلہ دیتے ہیں گنہگاروں کو ....
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى — اور ہم نے تمھارے آس پاس کی بستیاں ہلاک کر دیں، اور
وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ — آیتیں پھیر پھیر کر بیان کیں کہ وہ رجوع کریں۔

اب اس روشنی میں اگر اس خطاب کو سمجھا جائے تو اس کے معنی بالکل واضح ہو جائیں گے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اگلے مجرموں اور شریروں کو ہلاک کر دیا۔ اور یہ ہماری ایک جاری و قائم سنت ہے گزری ہوئی قوموں کی ہلاکت و بربادی کے واقعات تم جانتے اور سنتے رہے ہو۔ پس آخرت کا معاملہ بھی یونہی ہے۔ جو گنہگار ہوں گے سزا پائیں گے، جو نیکوکار ہوں گے وہ ہماری خوشنودی سے سرفراز ہوں گے۔ یہ تفصیل ایک یوم الفصل کے وقوع تک خود بخود منتہی ہو رہی تھی اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہ ہوئی البتہ اس سے جو لازمی نتیجہ پیدا ہو رہا تھا اسکا ذکر کر دیا ویل یومئذ للمکذبین۔ اس دن منکروں کے لئے خرابی ہے۔ تاکہ منکروں کو اس دن جن حالات سے دوچار ہونا ہے اس سے خبردار ہو جائیں۔ یہاں ویل کے ایک لفظ نے عذاب کی تمام اقسام کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ نیز آیت کے موقع سے یہ بات خود بخود نمایاں ہے کہ فیصلہ کے دن کا انکار ایک سخت ترین جرم ہے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے عدل، اور اس کی قدرت و حکمت کا انکار ہے، پھر یہ ہر طرح کے شرک و معصیت کا سرچشمہ اور اللہ تعالیٰ کی آیات، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں پر ایمان لانے سے تکبر اور اعراض ہے۔ یہاں یہ باتیں اشارات سے معلوم ہو رہی ہیں، دوسرے مقامات میں ان کی پوری تفصیل آگئی ہے۔

دوسرے خطاب نے نظم کے ایک نہایت خوبصورت پہلو کو نمایاں کیا ہے۔ یعنی پہلے میں آفاق کی شہادت پیش کی گئی تھی، اور اس میں انفس کی شہادت پیش کی گئی ہے۔ اور ان دونوں کا اجتماع قرآن مجید کی بعض آیات میں بالکل نمایاں ہے۔ مثلاً

وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِىْ — اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کیلئے، اور
اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ — تمھارے نفوس کے اندر بھی کیا تم کو نظر نہیں آتیں

اس خطاب میں جن امور کا ذکر کیا ہے ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس پروردگار نے تمھاری خلقت کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کا اہتمام فرمایا، کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ تمھاری زندگی کے کلی امور سے جو بالکل بنیادی اور نہایت اہم ہیں بے پروا ہو جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب وہ پہلی بار تمھاری خلقت اور مصوری پر قادر ہوا اور کوئی چیز اس کو عاجز نہ کر سکی تو تم کو دوبارہ اٹھانا تو اس کے لئے اور آسان ہے

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ — اور انسان کہتا ہے کیا جب میں مر جاؤں گا از سر نو
اُخْرَجُ حَيًّا اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ — زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے
اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا — اس کو پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ نہ تھا۔

ان دونوں پہلوؤں سے یہ ٹکڑا ایک روز فیصلہ کے وقوع کو خود بخود واضح کر رہا تھا اس لئے اسکے ذکر کی ضرورت نہیں ہوئی۔ بلکہ فرمایا ویل یومئذ للمکذبین۔ یہ واضح کرنے کے لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر یا قدرت کے منکر ہوں گے ان کے لئے خرابی ہے۔ جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور دیکھیں گے کہ وہ چیز سامنے کھڑی ہے، جس کا دنیا میں انکار کر رہے تھے تو ان کی تباہی ان پر پوری طرح آشکارا ہو جائے گی۔

فَاِنَّمَا هِىَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ — وہ تو بس ایک ہی ڈانٹ ہوگی کہ دفعۃً دیکھنے لگیں گے
يَنْظُرُوْنَ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا — اور کہیں گے ہائے بدبختی! یہ تو جزا کا دن ہے۔ یہ فیصلہ
يَوْمُ الدِّيْنِ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ — کا وہی دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔
الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ

تیسرے خطاب پر غور کرنے کے بعد جمع مثل بالشیٔ کی ایک عمدہ مثال ہمارے سامنے آتی ہے۔ یعنی جس طرح

زمین کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ معاد کی دلیلوں اور نشانیوں سے معمور ہے، جیسا کہ اوپر ہم نے عاد وغیرہ کے قصہ کا حوالہ دیا ہے اور قرآن مجید نے بار بار کثرت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اسی طرح زمین کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ رحم سے بہت مشابہ ہے۔ بلکہ دونوں کی مشترک خصوصیات پر غور کرنے کے بعد بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ جمیع خصوصیات کے اعتبار سے زمین کا پہلو نمایاں طور پر مرجح ہے۔ اور قرآن مجید نے زمین کی صفت میں، کفاتا احیاء و امواتا (سمیٹنے والی زندہ اور مردہ کو) کہہ کر درحقیقت اس کی اسی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ گاڑ کر اس کو آرام و سکون کی جگہ بنایا۔

وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ — اور بنائے زمین میں گڑے بوجھ کہ تمہیں لیکر ڈھلک نہ جائے

پھر ان پہاڑوں کو اونچا بنایا اور ان کے ذریعہ بادلوں کو روک کر زمین میں بقدر ضرورت پانی کا خزانہ جمع کر دیا، پھر اس سے سوتیں اور نہریں جاری کیں۔ ان تمام امور کی طرف قرآن نے جا بجا اشارات کئے ہیں۔

غرض پہاڑ کے ذریعہ زمین کو پا برجا اور مطمئن کر کے ان کی چوٹیوں، گھاٹیوں اور چشموں سے شیریں پانی کی سوتیں جاری کر کے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے زمین کو ویسا ہی پرامن گہوارہ بنا دیا ہے، جیسا کہ رحم جہاں جس میں جسم کے تمام گوشوں سے اس کے لئے غذا کا ذخیرہ نچڑ نچڑ کر جمع ہوتا ہے اور جس کی تعریف میں فرمایا ہے۔ فجعلناہ فی قرار مکین۔ بلکہ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ان تمام خصوصیات میں زمین کا پہلو نمایاں طور پر مرجح ہے۔ یہ تمام باتیں جس جامعیت اور کمال کے ساتھ زمین میں پائی جاتی ہیں اس جامعیت و کمال کے ساتھ رحم میں نہیں پائی جاتیں۔ زمین تمام مخلوقات کے لئے بمنزلہ رحم ہے۔ پھر جب انسان مرتا ہے اور اس میں دفن کیا جاتا ہے تو گویا وہ اس ماں کے رحم میں رکھ دیا جاتا ہے جس نے اس کو جنا تھا۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس حقیقت کی طرف کس قدر لطیف اشارہ کر رہی ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا — اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے

تُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ — اور پھر اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے

ظاہر ہے دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ عجیب نہیں ہے۔ پھر انسان اس کی کیوں تکذیب کرے، بلکہ اگر وہ زمین کے معاملات اور اس کے اندر اپنی زندگی اور موت کی اصلی نوعیت پر غور کرے تو وہ ہرگز دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس پر ایک نئی حقیقت روشن ہوگی جو اس کے ایمان و یقین کو اور زیادہ محکم کر دے گی۔ وہ دیکھے گا کہ جس دن وہ پیدا ہوا تو گویا پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کا حمل قرار پایا اور جس دن مرا تو گویا مرا نہیں بلکہ پیدا ہوا۔ پھر دوسرے پہلو سے اگر غور کرے گا تو ایک اور حقیقت اس کے سامنے آئے گی۔ وہ دیکھے گا کہ جس دن وہ مرا تو گویا مرا نہیں بلکہ زمین کے پیٹ میں اس کا حمل قرار پایا اب ناگزیر ہے کہ اس حمل کے لئے بھی ایک دن وضع حمل کا آئے اور وہ دن وہی ہوگا جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَ — جب زمین میں بھونچال ڈالا جائے اور زمین
أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا — اپنے بوجھ باہر نکال دے۔

اس تفصیل پر غور کرنے کے بعد، یہ حقیقت آپ سے آپ واضح ہو گئی کہ اس کلام کا مقصد ربوبیت اور احاطہ کے پہلو سے معاد پر استدلال ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے اور ہم زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اس کی مٹھی میں ہیں تو ناگزیر ہے کہ ایک دن بازپرس کا بھی آئے جس میں ہم اپنے اعمال کے متعلق جواب دہ ہوں۔ اسی طرح کلام درجہ بدرجہ ایک "روز فیصلہ" کے ثبوت تک خود بخود پہنچ گیا اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ لفظوں میں اس کو بیان کیا جائے۔ چنانچہ اس کے ذکر سے گذر کر فرمایا ویل یومئذ للمکذبین (اس دن خرابی ہے انکار کرنے والوں کے لئے) یعنی جنھوں نے آج خدا کی پروردگاری اور اس کے احاطہ قدرت کا انکار کیا ہے جب وہ اپنے پروردگار کے حضور جمع کئے جائیں گے تو ان کے سامنے ان کے انکار کی بدبختی پوری طرح آشکارا ہو جائے گی۔ اسی حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ — اور صور پھونکا جائے گا تو دفعۃً وہ قبروں سے نکل کر
إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ، قَالُوْا يَا وَيْلَنَا — اپنے پروردگار کی طرف چل کھڑے ہوں گے اور کہیں گے
مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا، هٰذَا مَا — ہائے ہماری خرابی! ہم کو کس نے ہماری خوابگاہ سے اٹھا
وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یٰسین) — یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔

اس کے بعد بلاغت کا ایک نیا اسلوب نمودار ہوا ہے، یعنی جو چیز اب تک نگاہوں سے اوجھل تھی وہ سامنے حاضر کر دی گئی ہے۔ چنانچہ کلام کا اسلوب ایسا اختیار کر لیا گیا ہے جو ایک حاضر و مشہود چیز کے مناسب حال ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ فیصلہ کا دن آ گیا ہے، لوگ اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہیں اور جس چیز کا آج تک انکار کرتے رہے تھے وہ سامنے موجود ہے، فرمایا۔ انطلقوا الی ما کنتم بہ تکذبون الخ

(باقی)

تفسیر سورۃ الفیل

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ الفیل کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی ہر فصل ایک مستقل کتاب ہے۔ واقعہ فیل کی اصل حقیقت اس کتاب کی اشاعت سے پہلے بالکل مجہول تھی، مولانا فراہیؒ نے کلام عرب کی مدد سے واقعہ کی تمام تفصیلات فراہم کر کے تمام تاریخی غلطیوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ واقعہ طیر کو بھی عجائب پرستی نے بالکل دوسرا رنگ دے دیا تھا۔ مولاناؒ نے اس واقعہ کے متعلق بھی عینی شاہدوں کی شہادتیں جمع کر کے اس کی اصل حقیقت آشکارا کر دی ہے اور اسی سلسلہ میں رمی جمرات کے دوسرے مراسم کے اسرار و حکم نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین کاغذ عمدہ، تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخم ۱۱۲

قیمت ۸؍

مینیجر

ذبیح کون ہے؟

(۲)

قسط اول

تورات اور علمائے اہل کتاب کے اعترافات سے استدلال

وحی، رؤیا اور قربانی کے متعلق بعض اصولی مباحث

۷۔ اصل بحث کے آغاز سے پہلے وحی، رؤیا اور قربانی کے متعلق بعض اصولی مباحث کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ یہ اصولی مباحث درج ذیل ہیں۔

الف۔ شریعت خداوندی کے عام قاعدہ سے یہ بات بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اس بات کا حکم دے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے، البتہ خواب میں یہ بات دکھائی جا سکتی ہے کیونکہ خواب تاویل کی چیز ہے اور ذبح انسان کی سب سے قریب ترین تاویل یہ ہے کہ اس کو خدا کی نذر اور اس کے گھر کا خادم بنا دیا جائے، کیونکہ معبد کا خادم درحقیقت قربانی کے جانور کا عوض ہوتا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس پر قربانی کے بعض مراسم ادا کئے جاتے ہیں مثلاً اس پر ہاتھ رکھنا اور معبد کے سامنے ہلانا وغیرہ۔ چنانچہ گنتی (۸: ۱۰-۱۴) میں ہے۔

پھر لاویوں کو خداوند کے آگے لانا، تب بنی اسرائیل اپنے اپنے ہاتھ لاویوں پر رکھیں ۱۱ اور ہارون لاویوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے ہلانے کی قربانی کے لئے خداوند کے حضور گزرانے تاکہ وہ خداوند کی خدمت کرنے پر رہیں ۱۲ اور پھر لاوی اپنے اپنے ہاتھ بچھڑوں کے سروں پر رکھیں اور تو ایک کو خطا کی قربانی اور دوسرے کو سوختنی قربانی کے لئے خداوند کے حضور گزرانا تاکہ لاویوں کے واسطے کفارہ دیا جائے ۱۳ پھر تو لاویوں کو ہارون اور

اس کے بیٹوں کے آگے کھڑا کرنا اور ان کو ہلانے کی قربانی کے لئے خداوند کے حضور گذراننا ہوا یوں تو لاویوں کو بنی اسرائیل سے الگ کرنا اور لاوی میرے ہی ٹھہریں گے ۱۵۔ اس کے بعد لاوی خیمۂ اجتماع کی خدمت کیلئے اندر جایا کریں سو تو ان کو پاک کر اور ہلانے کی قربانی کے لئے ان کو گذران ۱۶۔ اس لئے کہ وہ سب کے سب بنی اسرائیل میں سے مجھے بالکل دے دیئے گئے ہیں کیونکہ میں نے ان ہی کو ان سبھوں کے بدلے جو اسرائیلیوں میں پہلوٹھی کے بچے ہیں اپنے لئے لیا ہے۔

اس سے ہمارے مذکورہ دعویٰ کی پوری تائید ہوتی ہے اور اس کے شواہد تورات میں بہت ہیں یہاں ہم نے صرف بقدر ضرورت پر اکتفا کیا ہے۔ آگے جگہ جگہ تفصیلات ملیں گی۔

(ب) غیب کے اسرار و احوال کبھی کبھی رویا کی شکل میں منکشف ہوتے ہیں اور یہ رویا کبھی تو سپیدۂ صبح کی مانند بالکل روشن اور آشکارا ہوتی ہے اور کبھی اس پر خفا اور حجاب کے پردے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ بہت حد تک کلام سے مشابہ ہوتی ہے، جو کبھی تو نہایت تصریح کے ساتھ اپنے مفہوم کو بتا دیتا ہے اور کبھی استعارہ و تمثیل کے مجازی اسلوب اختیار کرلیتا ہے۔ پس یہ دوسری قسم کی رویا تاویل کی محتاج ہوتی ہے اور تاویل بعض اوقات اس قدر دقیق ہوتی ہے کہ صاحب رویا سے مخفی رہ جاتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے دونوں ساتھیوں اور پھر بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اس کی تاویل سمجھنے سے وہ قاصر رہے۔ تورات میں بخت نصر اور دانیال نبی کے اسی قسم کے خواب مذکور ہیں جن کی تاویلیں ان پر بہت بعد میں کھلیں۔ یہی صورت حالات بعض مرتبہ انبیاء علیہم السلام کو پیش آجاتی ہے۔ فہم تاویل ایک مخصوص علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ایک مخصوص بصیرت و معرفت پر مبنی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی علم کی طرف اشارہ فرمایا ہے وعلمنی من تاویل الاحادیث اور میرے پروردگار نے مجھے باتوں کی تاویل سکھائی ہے۔

(ج) وحی، خواہ رویا کی شکل میں ہو، یا عالم بیداری میں، جہاں تک کہ اس پر یقین کرنے کا تعلق ہے دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ اس بات کے احساس کے لئے کہ ہمارے اندر کوئی قوت موجود ہے، یہ بات کافی ہے کہ وہ قوت فعلاً یا انفعالاً ظاہر ہو، اس کے بعد اس پر یقین کرنے کے لئے ہم کسی خارجی دلیل کے

محتاج نہیں ہیں کیونکہ اس کی سب سے زیادہ قریب ترین دلیل ہمارے سامنے آگئی۔ ہمارے اندر سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں موجود ہیں، اس کی سب سے زیادہ مضبوط دلیل یہ ہے کہ ہم سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ اس کے علم و یقین کے لئے اس دلیل کے ماسوا ہم کو کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہی حال صاحب وحی کا ہوتا ہے۔ اس کو جو حالت پیش آتی ہے اس پر یقین کرنے کے لئے وہ کسی دلیل خارجی کا منتظر نہیں رہتا۔ البتہ ایک عام شک و اضطراب کی کیفیت سے وہ ضرور دوچار ہوتا ہے اور اس کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بار بار کا تجربہ اور شہادت اس کے سامنے آجائے۔ پس وحی، خواہ بیداری کی حالت کی ہو یا خواب کی، اپنے ساتھ یقین و طمانیت کی ٹھنڈک رکھتی ہے۔ اس میں شک و اضطراب کی خلش نہیں ہوتی۔ اور جس طرح ہم عام بیداری میں ایک محسوس حقیقت اور ایک خیال میں فرق کرنے سے عاجز نہیں رہتے، دونوں کو بغیر کسی اشتباہ کے، علیحدہ علیحدہ پہچان لیتے ہیں، اسی طرح وہ خواب جو از قبیل خیال ہے اور وہ رویا جو از قسم وحی ہے، دونوں ہمارے سامنے دو بالکل نمایاں حالتوں میں ہوتے ہیں اور ہم دونوں میں بآسانی تمیز کرسکتے ہیں۔ اور علوم نبوت کا یہ دروازہ کھلا ہوا چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ وحی کے احوال و معاملات کا ایک ہلکا سا عکس آج بھی اہل نظر دیکھ سکیں گو ان دونوں کی حقیقتوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

(د) خدا کے حضور میں قربان کرنے یا نذر گذراننے کے لئے ضروری تھا کہ پہلوٹھا بچہ نذر گذرانا جائے خواہ آدمی کا بچہ ہو یا حیوانات کا۔ یہاں تک کہ زمین کی عام پیداوار میں بھی یہ شرط ضروری تھی کہ فصل کا اولین ثمر پیش کیا جائے۔ یہ قدیم ترین شریعت ہے۔ جو آدمؑ کے وقت سے موجود ہے اور یہی حکم توریت میں بھی نازل ہوا پیدائش (۴: ۴) میں ہے۔

"اور ہابیل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابیل کو اور اس کے ہدیہ کو منظور کیا۔"

یہ آدمؑ کے وقت کی بات تھی۔ بعینہٖ یہی حکم توریت نے دیا۔ گنتی (۸: ۱۶-۱۹) میں ہے۔

" اس لئے کہ بنی اسرائیل کے سب پہلوٹھے کیا انسان کیا حیوان میرے ہیں۔ میں نے جس دن ملک مصر کے پہلوٹھوں کو مارا اسی دن ان کو اپنے لئے مقدس کیا۔ اور بنی اسرائیل کے سب پہلوٹھوں کے بدلے میں نے لاویوں کو لے لیا ہے"

خروج (۱۳:- ۱-۲) میں ہے۔

" اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ سب پہلوٹھوں کو یعنی جو بنی اسرائیل میں خواہ انسان ہو خواہ حیوان، پہلوٹھی کے بچے ہوں ان کو میرے لئے مقدس ٹھہرا کیونکہ وہ میرے ہیں"

ط۔ پہلوٹھی کے ہونے کی فضیلت ایک ایسی فضیلت تھی جو کسی حالت میں باطل نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر پہلوٹھی کا بچہ ایسی بیوی سے ہو جس سے نہایت نفرت رہی ہو اور دوسرا بچہ محبوب بیوی سے ہو جب بھی فضیلت پہلوٹھی ہی کے بچہ کو حاصل رہے گی، کیونکہ "وہ اس کی قدرت کی ابتدا ہے اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے" (استثنا ۲۱:- ۱۵-۱۶)

ی۔ جو خدا کی نذر کر دیا گیا۔ وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہیں، اس کا حصہ خدا ہے۔ استثنا (۱۰:- ۸-۹) میں ہے۔

"اسی موقع پر خداوند نے لاوی کے قبیلہ کو اس غرض سے الگ کیا کہ وہ خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھایا کرے اور خداوند کے حضور کھڑا ہو کر اس کی خدمت کو انجام دے اور اس کے نام سے برکت دیا کرے، جیسا آج تک ہوتا ہے اسی لئے لاوی کو کوئی حصہ یا میراث اس کے بھائیوں کے ساتھ نہیں ملی کیونکہ خداوند اس کی میراث ہے جیسا خود خداوند تیرے خدا نے اس سے کہا ہے"

دوسری جگہ (۱۸:- ۱-۳) ہے۔

" لاوی کاہنوں، یعنی لاوی کے قبیلہ کا کوئی حصہ اور میراث اسرائیل کے ساتھ نہ ہو۔ وہ خداوند کی آتشیں قربانیاں اور اسی کی میراث کھایا کریں، اس لئے ان کے بھائیوں کے ساتھ ان کو میراث نہ ملے۔ خداوند ان کی میراث ہے۔ جیسا اس نے خود ان سے کہا ہے"

توریت میں اس کے شواہد بہت ہیں۔ ہم نے صرف چند کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

ز۔ نذر کے لئے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ اس کو سات مرتبہ مذبح کے سامنے پھرایا جائے اور اس کے سر پر استرہ نہ چلے اور صرف مذبح کے سامنے اس کا سر مونڈا جائے۔ دیکھو گنتی (۶:- ۵-۷)

ح۔ جو خدا کی نذر یا معبد کا خادم بنایا جاتا اس کے لئے ایک مخصوص اصطلاح "خداوند کے حضور" یا "خداوند کے آگے" کی قائم ہو گئی تھی، جس کے معنی یہ تھے کہ معبد کے سامنے یا خداوند کی خدمت میں ہے۔

پیدائش (۱۷:- ۱) میں ہے

"جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو"

استثنا (۱۰:- ۸) میں ہے۔

" بنی لاوی خداوند کے حضور کھڑے ہوں اور اس کی خدمت کریں اور اس کے نام سے برکت دیں"[1]

خروج (۲۸: ۲۵) میں ہے۔

" اس جبہ (سونے کی گھنٹیوں والا) کو ہارون خدمت کے وقت پہنا کرے تاکہ جب وہ پاک مقام کے اندر خداوند کے حضور جائے یا وہاں سے نکلے تو اس کی آواز سنی جائے"

نیز خروج (۲۹: ۱۱) میں ہے۔

" پھر اس بچھڑے کو خداوند کے آگے خیمۂ اجتماع کے دروازہ پر ذبح کرنا"

پھر اسی باب کی آیت ۴۲ میں ہے۔

" ایسی ہی سوختنی قربانی تمہاری پشت در پشت خیمۂ اجتماع کے دروازہ پر خداوند کے آگے ہمیشہ ہوا کرے"

آیت ۲۳ میں ہے

" اور بے خمیری روٹی کی ٹوکری میں سے جو خداوند کے آگے دھری ہو گی"

آیت ۲۶ میں ہے۔

" اور تو ہارون کے تخصیصی مینڈھے کا سینہ لیکر اس کو خداوند کے روبرو ہلانا"

---

[1] یہاں حوالہ میں مصنف سے غالباً سہو ہو گیا ہے۔ میں نے اصل کتاب کی مراجعت کی لیکن عجلت میں پتہ نہ چل سکا۔ (مترجم)

کتاب احبار میں اس طرح کی عبارتیں بہت مل سکتی ہیں۔ اور علمائے اہل کتاب نے "خداوند کے آگے" اور "خداوند کے حضور" کا یہی مفہوم لیا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

ط۔ قربانی اسی مقام پر ہونی چاہئے جس کو خداوند نے اس کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ دیکھو استثناء (۱۲: ۱۰-۱۴) پیدائش (۲۲: ۱-۴) استثناء (۱۶: ۵-۷)

یہود کی شریعت میں خاص خاص قربانیوں کے ذبح کیلئے مقامات خاص سمتیں متعین تھیں۔ دیکھو احبار (باب ۱-۸)

اور سب سے اعلیٰ قربانی "قدس الاقداس" کہلاتی تھی دیکھو احبار (۶: ۱۷ و ۲۵ اور ۷: ۱-۲)

"قدس الاقداس" کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ جنوب کی طرف متوجہ ہو کر کی جائے اور جو قربانی کرنا چاہے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ شمالی دروازہ سے اندر داخل ہوں۔ خروج (۴۰: ۲۲-۲۹) میں ہے۔

"اور میز کو اس پردہ کے باہر مسکن کی شمالی سمت میں خیمۂ اجتماع کے اندر رکھا۔ اور اس پر خداوند کے حضور روٹی سجا کر رکھی جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔ اور خیمۂ اجتماع کے اندر ہی میز کے سامنے مسکن کی جنوبی سمت میں شمعدان کو رکھا۔ اور چراغ خداوند کے روبرو روشن کر دیئے جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔ اور زرین قربان گاہ کو خیمۂ اجتماع کے اندر پردہ کے سامنے رکھا۔ اور اس پر خوشبودار مصالح کا بخور جلایا جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔ اور اس نے مسکن کے دروازہ پر پردہ لگایا۔ اور خیمۂ اجتماع کے مسکن کے دروازہ پر سوختنی قربانی کا مذبح رکھ کر اس پر سوختنی قربانی اور نذر کی قربانی چڑھائی جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔"

ایک مسیحی عالم نے ہیکل پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام The Temple ہے اس میں اس نے یہودیوں کے تمام مراسم بتفصیل بیان کئے ہیں اور اس امر کا بھی ذکر کیا ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اور نیچے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "ہم اس کی کوئی خاص وجہ نہیں بیان کر سکتے۔ ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ شمال ٹھنڈ اور تاریکی کی سمت ہے یا یہ وجہ ہو کہ تیہ کے زمانہ سفر میں ان کے معبد کا رخ فلسطین کی طرف تھا۔" غرض یہ ثابت ہے کہ مسکن کا دروازہ شمال میں تھا اور اس کا قبلہ اور شمعدان کی جگہ جنوب میں۔

صحف یہود پر غور کرنے کے لئے چند بنیادی اصول

۳۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ یہود نے اپنے صحیفوں میں بہت کچھ کمی بیشی اور تبدیلیاں کر دی ہیں، بہت سے الفاظ ان کی جگہ سے ہٹا دیئے ہیں، پس جس طرح ایک جج کے لئے جھوٹی شہادتوں کے طومار میں سے اصل واقعہ کی منقح حقیقت کو دریافت کرنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح ان صحیفوں سے مسائل کا استنباط نہایت دشوار ہے۔ علماء کو ان میں بڑی حیرانیاں پیش آتی ہیں۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کا علمائے اہل کتاب نے اعتراف کیا ہے اور اپنی کتابوں میں اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ...... ان صحیفوں کا تناقض بالکل واضح اور قدیم زمانہ سے معروف و مسلم ہے۔

اس معاملہ پر زیادہ تفصیل سے گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ خود ان کے صحیفوں کی بعض شہادتیں اصل حقیقت کو بے نقاب کر دینے کے لئے کافی ہوں گی۔ دیکھو یرمیاہ نبی ان کے جھوٹ پر کس طرح ماتم کرتے ہیں۔

"نبیوں کی بابت، میرا دل میرے اندر ٹوٹ گیا۔ ...... خداوند اور اس کے پاک کلام کے سبب سے میں متوالا سا ہوں ...... کہ نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں ...... وہ تم کو بطالت کی تعلیم دیتے ہیں وہ اپنے دلوں کے الہام بیان کرتے ہیں نہ کہ خداوند کے منہ کی باتیں ...... تم آئندہ دنوں میں اسے بخوبی معلوم کرو گے۔ میں نے ان نبیوں کو نہیں بھیجا پر یہ دوڑتے پھرے۔ میں نے ان سے کلام نہیں کیا پر انہوں نے نبوت کی۔ ...... اس لئے دیکھ میں ان نبیوں کا مخالف ہوں خداوند فرماتا ہے جو ایک دوسرے سے میری باتیں چراتے ہیں ...... کیونکہ تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔" (یرمیاہ ۲۳: ۹-۳۶)

"تم کیونکر کہتے ہو، ہم تو دانشمند ہیں اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے؟ لیکن دیکھ لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔ دانشمند شرمندہ ہوئے۔ وہ حیران ہوئے اور پکڑے گئے۔ دیکھ انہوں نے خداوند کے کلام کو رد کیا۔ ان میں کیسی دانائی ہے؟" (یرمیاہ ۸: ۸-۹)

اسی حقیقت کی طرف حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اشارہ فرمایا ہے (دیکھو یوحنا ۱۰: ۸)

"جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں"

اس عبارت کی روایت یا ترجمہ میں کچھ نقص رہ گیا ہے "جتنے مجھ سے پہلے آئے" کی تعمیم صرف ان لوگوں تک محدود ہے جو انبیاء صادقین کے بعد اور حضرت مسیح علیہ السلام سے کچھ پہلے آئے۔

بہر حال صحف یہود پر جو شخص غور کریگا، اس پر یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ یہ سب مختلف الماخذ روایات کا مجموعہ ہیں اور جیسا کہ روایات کی خصوصیت ہے، اکثر باہمدگر متناقض۔ چنانچہ بعض فرقوں کے نزدیک جو صحیفے مسلم ہیں دوسروں کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ ایک معلوم و مشہور بات ہے اور علمائے اہل کتاب نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ان صحیفوں پر کبھی حسن ظن کے ساتھ نظر نہ ڈالی جائے بلکہ نقد و نظر کی پوری ہوشیاری کے ساتھ غور کیا جائے اور حق و باطل کے مابین امتیاز کی کوشش کی جائے۔

ہمارے نزدیک اس کے لئے مندرجہ ذیل اصول ضروری ہیں۔

ا۔ جو باتیں یہود کے اغراض و ہوا کے موافق پڑتی ہیں ان پر ابدا اعتبار نہ کیا جائے۔ اس بارہ میں انکی تصریحات لاشی محض ہیں کیونکہ ان کی تبدیلیاں اور تحریفات معلوم ہیں۔

ب۔ تحریف کرنے والے بعض اوقات ادھر اُدھر کی تبدیلیاں کر دیتے ہیں لیکن حق کے تمام نشانات مٹانے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ بعض چیزیں ان کی نگاہوں سے بچکر محفوظ رہجاتی ہیں اور وہ نادانستہ طور پر اپنی خواہش کے بالکل خلاف ان کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ پس نص کے اقتضاء و اشارات کی روشنی میں انہی نشانات کو پکڑنا چاہئے ... اور پھر ان امور کا سراغ لگانا چاہئے جو ان کی تحریفات سے مجروح ہوئے ہوں گے۔

ج۔ ہر ٹھیک بات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے اردگرد حقائق کا ایک حصار رکھتی ہے۔ جھوٹ کو یہ حیثیت حاصل نہیں، پس آیات و روایات کی تطبیق اور واقعہ کے اجزاء و متعلقات کو جمع کرکے آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ حق کیا ہے۔

د۔ قوموں کے احوال و معاملات جو اب علم کی روشنی میں آگئے ہیں، وہ بھی اس کشف و تحقیق کی راہ میں آدمی کی رہنمائی کرتے ہیں۔

یہ چند عقلی اصول ہیں جن کو صحف یہود پر نقد و نظر کرتے وقت سامنے رکھنا چاہئے۔ ان کے بغیر اس خارزار میں قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں۔

(باقی)

دائرہ حمیدیہ کی عربی مطبوعات

تفسیر سورۂ عبس۔ اس میں انبیاء کے خلق عظیم کی عصمت اور ان کے مواقع عتاب کے متعلق نہایت اہم مباحث ہیں۔ قیمت :- ۴/

تفسیر سورۂ التین :- اس میں تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین سے وجہ استشہاد اور ان کی تحقیق کے متعلق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ تحقیق اور وسعت نظر کا اعجاز ہے۔ قیمت :- ۴/

تفسیر سورۃ الکوثر۔ کوثر کی حقیقت کے متعلق اسقدر مدلل لکھا ہے کہ بحث کا کوئی گوشہ محجوب نہیں رہ گیا ہے۔ نماز اور قربانی کی حقیقت اور ان کے باہمی تعلق کی تفصیل طویل اور نہایت ایمان افروز ہے

قیمت ۴/

تفسیر سورۃ الفیل۔ اس کا اردو ترجمہ الاصلاح ۱۹۳۶ء میں شائع ہو چکا ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔ قیمت ۸/

تفسیر سورۃ اللہب :- اسمیں اس عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بددعا ہے۔ ابولہب اور اسکی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں قیمت ۴/

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح :- اس میں اہل کتاب کے دعوی کے خلاف قرآن اور تورات کے محکم دلائل سے حضرت اسماعیلؑ کا ذبیح ہونا ثابت کیا ہے۔ قیمت ۱۰/

امعان فی اقسام القرآن۔ اسمیں ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی قسمیں استدلال اور شہادت کیلئے ہیں۔ قیمت ۸/

مینیجر

مذاکرہ

"تحقیق قربانی" اور "تفسیر بیان للناس"

از امین احسن اصلاحی

قارئین کو شاید یاد ہو کہ معاصر "بلاغ" امرتسر کے ایک مضمون "تحقیق قربانی" اور خواجہ احمد الدین صاحب مرحوم کی "تفسیر بیان للناس" پر الاصلاح بابت ماہ مارچ ۳۶ء اور اگست ۳۶ء میں تنقیدیں نکلی تھیں۔ الاصلاح کے عام دستور کے مطابق یہ تنقیدیں نہایت مختصر تھیں۔ چند لفظوں میں، بغیر کسی نفاق و مداہنت کے اپنی صاف صاف رائے لکھ دی گئی تھی۔ ہماری یہ صاف گوئی معاصر بلاغ کے کارکنوں اور خواجہ احمد الدین صاحب مرحوم کے متبعین کو بہت بری لگی اور اس پر انھوں نے عتاب اور اظہار خفگی کے خطوط لکھے۔ اسی سلسلہ کے ایک بزرگ نے سندھ سے بھی ہم کو خطوط لکھے اور مطالبہ کیا کہ ہم بلاغ کے مضمون "تحقیق قربانی" کا مفصل جواب لکھیں اور گن گن کے بتائیں کہ خواجہ صاحب کی تفسیر میں کیا کیا غلطیاں ہیں۔ یہ غصہ اور مطالبہ ایک حد تک بجا تھا۔ کسی کی کتاب یا مضمون پر جب ہم مخالفانہ نکتہ چینی کرینگے تو خواہ مخواہ وہ چڑھے گا، بالخصوص ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں تنقید اور مدح و منقبت ہم معنی خیال کی جاتی ہیں۔ لیکن اصل یہ ہے کہ ہم بھی اس معاملہ میں کچھ مجبور تھے، اور ہم نے اپنی مجبوریوں کو ان دوستوں پر ظاہر بھی کر دیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس کو انھوں نے باور نہیں کیا۔ چنانچہ سندھ والے بزرگ نے اپنے وہ تمام خطوط اور ہمارے معذرت نامے بلاغ کی جنوری اور فروری کی اشاعتوں میں نہایت شاندار مقدمات و تمہیدات اور شروح و حواشی سے آراستہ کرکے شائع کر دیئے ہیں اور اس پر جگہ جگہ بلاغ کے اڈیٹر صاحب نے بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ اور چونکہ انھوں نے اپنی دانست میں اپنے ایک اور حریف کو بھی زیر کر لیا ہے، اسلئے

ب و لہجہ میں غصہ کی جھنجلاہٹ کے ساتھ ساتھ فاتحانہ غرور کی تمکنت بھی نمایاں ہے اور اس میں کہیں کہیں شاعری کی بھی جھلک ہے اور ظاہر ہے کہ اس موقع پر ان کی تحریر میں یہ رنگ نمایاں ہونا قدرتی ہے۔

بلاغ کے یہ پرچے پڑھنے کے بعد ہمارے بعض کرم فرما بزرگوں نے ہم سے اس امر کی وجہ دریافت کی ہے کہ اس چیلنج کے جواب میں ہم نے خاموشی اور اغماض کی روش کیوں اختیار کی۔ ان کے اطمینان کے لئے بعض باتیں آج مجبوراً زبان قلم پر آتی ہیں۔ امید ہے ہمارے ان دوستوں کو ناگوار نہ ہوں گی۔

"تفسیر بیان للناس" اور مضمون "تحقیق قربانی" کے متعلق الاصلاح کو یہ شکایت ہے کہ ان میں قرآن کی آیتوں کی تاویل قواعد لغت و زبان سے بالکل بے قید ہو کر کی گئی ہے اور یہ بے قیدی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ کوئی شخص جس نے چند دن بھی کسی عربی مدرسہ میں بسر کئے ہوں، ان کے مطالعہ میں اپنا وقت بغیر انتہائی نفرت و کراہ[ت] کے ضائع کرنا پسند نہ کرے گا۔ ہم نے "تفسیر بیان للناس" جب بقصد تبصرہ پڑھنی چاہی تو چند صفحے پڑھنے کے بعد مصنف کی جسارت سے سخت روحانی اذیت ہوئی اور اغلاط کا طومار ایسا بے پایاں تھا کہ ان کے صرف ایک مختصر حصہ کو بھی جمع کیجئے تو الاصلاح کے لئے ناقابل تحمل ہو اگر صرف چند کی طرف اشارہ کرکے گذر جایئے تو گویا کتاب کے حق میں ایک خفی سفارش۔ اسلئے ہم نے دو لفظوں میں بات ٹال دی کہ جو صاحب کتاب کے متعلق ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے تھے وہ فرض ادا ہو گیا۔ زیادہ کرید اور بحث و مناظرہ سے کیا حاصل! لیکن کارکنان بلاغ اور بالخصوص جناب محمد شفیع صاحب (سندھ) نے اس کے بعد لمبے لمبے خطوط کی بوچھار شروع کر دی اور متقاضی ہوئے کہ ان کو تفسیر کی غلطیاں گن گن کر بتائی جائیں۔ مجبور ہو کر کتاب دوبارہ منگوائی اور بعض صفحات پڑھے۔ لیکن پورے یقین کے ساتھ محسوس کیا کہ اس کتاب کے متعلق جو جملے الاصلاح میں لکھ دیئے گئے ہیں وہ صحیح سے صحیح تنقید ہے، دو چار غلطیاں اس کتاب کی بتائی جاتی ہیں جس میں سو پچاس غلطیاں ہوں۔ یہ کتاب کتاب نہیں ہے، اغلاط اور خرافات کا ایک دفتر ہے اور طے کر لیا کہ کسی مناسب فرصت میں محمد شفیع صاحب کو مشورہ دیں گے کہ وہ عربی زبان سے بالکل ناواقف ہیں اس قسم کے فتنہ میں نہ پڑیں اور یہ مخفی خواہش دل میں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ انھوں نے [illegible]

"طالب حق" ظاہر کیا تھا ورنہ اگر معلوم ہوتا کہ وہ مضمون نگاری اور مناظرہ کے شائق ہیں اور ہیچمدانی کے ساتھ دعوائے علم اور غرور تحقیق و اجتہاد کے فتنہ میں مبتلا ہو چکے ہیں تو شاید ان کے خطوط کے جواب میں جو وقت ضائع ہوا وہ بھی کسی اچھے مصرف کے لئے بچا لیا جاتا۔

محمد شفیع صاحب کے علم و فضل کا یہ حال ہے کہ انھوں نے اپنے والا نامہ میں علی اور اڈیٹر الاصلاح کے جہل پر ایک خطبہ دیتے ہوئے آخر میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی نقل فرمائی تھی جس کا املا یوں تھا "انا للہ وان علیہ راجعون"۔ اور اس مبلغ علم کے ساتھ انھوں نے جو خط لکھا اس کا حال یہ تھا کہ اس کی سطر سطر استہزا، تحکم، طنز اور ادعا و غرور کا ترکش تھی۔ اور مطالبہ یہ تھا کہ اڈیٹر الاصلاح بتلائے کہ مولوی احمد الدین صاحب نے اپنی تفسیر میں نحو اور ادب کی کیا کیا غلطیاں کی ہیں۔ میں اس خط کو پڑھ کر سخت حیران ہوا اور جی میں آیا کہ لکھ دوں کہ سیبویہ اور امرء القیس کی ہمسری کے شوق کو چھوڑ کر پہلے کسی مکتب میں ناظرہ پڑھئے۔ اس کے بعد میدان اجتہاد میں نزول اجلال فرمایئے گا۔ لیکن چونکہ اس طرح کے ادعا و غرور کی مثالیں اس عہد میں نادر نہیں ہیں اس لئے افسوس کے ساتھ انکا خط رکھ لیا اور شذرات میں ان کی ذات کو نہیں صرف ان کی ذہنیت کو مخاطب کر کے ایک نوٹ لکھ دیا کہ ایسے لوگوں کے لئے بہترین راہ تقلید و اتباع کی ہے۔ اجتہاد کا شوق نہایت مہلک ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ اس عمدہ نصیحت کو قبول کر لیتے، غصہ کے پورے ہیجان اور انتقام کے انتہائی جوش میں پندرہ سولہ صفحے کا ایک اور خط لکھ ڈالا اور تمام اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان مناظرہ میں اتر آئے۔

مناظرہ الاصلاح کا طریقہ نہیں۔ مناظرہ میں آدمی ہمیشہ حریف کے تعاقب میں رہتا ہے اور حریف اگر موضوع بحث سے بالکل نابلد ہو (جیسے شفیع صاحب تھے) تو پھر سارا زور بالکل غیر متعلق اور دور از کار باتوں میں ضائع ہوتا ہے اور وقت اور کاغذ کا یہ زیان وہ شخص کبھی نہیں گوارا کر سکتا جس کی زندگی کا ہر لمحہ صرف طالب علمانہ کاموں سے گھرا ہوا ہو۔ ان مختلف اسباب کی وجہ سے شفیع صاحب کی بار بار کی دعوت مبارزت کے باوجود ہم نے مناظرانہ رویہ اختیار کرنے سے گریز کیا اور سوچا کہ جہاں تک قرآن کے مسائل کا تعلق ہے آہستہ آہستہ مختلف صحبتوں میں

تمام مباحث ان صفحات میں پیش کر دیئے جائیں گے۔ (چنانچہ اس کا آغاز الاصلاح میں کر دیا گیا ہے) اور جب یہ متعلق مباحث لوگوں کے سامنے آجائیں گے تو ایک سیر حاصل بحث اس مسئلہ پر کر دی جائے گی۔ قطع نظر اس سے کہ متعلق بلاغ کیا کہتے ہیں۔ اور باقی رہی خواجہ صاحب کی تفسیر تو اس کے متعلق ایک بزرگ کی بیان کی ہوئی ایک حکایت یاد آتی ہے اور آج بادل ناخواستہ ہم اپنے ان دوستوں کو بھی سنا دینا چاہتے ہیں۔

ایک بزرگ کسی باورچی کی دوکان سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ باورچی بدسلیقہ اور پھوہڑ تھا، روزانہ سالن میں دو چار مری ہوئی مکھیاں نکلتیں، وہ بیچارے خفا ہوتے اور سالن واپس کر دیتے۔ آئے دن کا یہی قصہ تھا۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ سالن کا پورا پیالہ مری ہوئی مکھیوں سے بھرا ہوا ہے، انھوں نے صبر و شکر کر کے رکھ لیا۔ باورچی نے عرض کی حضور جب سالن میں دو چار مکھیاں ہوتیں تب تو آپ خفا ہو جاتے اور پیالہ واپس کر دیتے اور آج کہ پورا پیالہ مکھیوں سے بھرا ہوا ہے، آپ کچھ نہیں بولے۔ آخر کیا بات ہے؟ فرمایا میں جب تک دو چار مکھیاں ہوتی تھیں، اس توقع پر خفا ہوتا تھا کہ ممکن ہے تم کو کچھ دھیان ہو اور احتیاط کرو لیکن اب جبکہ تم مکھیوں ہی کا قورمہ پکا کے لائے ہو تو تم سے کیا توقع اور کیا شکایت !!

ہمارے محترم عرشی صاحب اور شفیع صاحب یقین کریں کہ بعینہ یہی صورت حال ہم کو پیش آئی۔ دو چار غلطیاں ہوں تو ٹوکئے اور اعتراض کیجئے۔ نہ تو غلطیوں کا ہونا مستبعد اور نہ اعتراض و نکتہ چینی کوئی گناہ۔ لیکن اگر کوئی شخص غلطیوں ہی کو کیش و مشرب قرار دے لے تو اس سے کیا لڑیئے۔ بس خواجہ صاحب کی تفسیر تفسیر نہیں ہے۔ یہ "مکھیوں کا قورمہ" ہے جس پڑھے لکھے کے پاس پہنچ گئی وہ سر پکڑ کے بیٹھ گیا ہے۔ اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خواجہ صاحب کو معاف فرمائے اور آپ لوگوں کو توفیق دے کہ تفسیر نگاری کا مشغلہ چھوڑ کر کوئی اور دھندا اختیار کریں۔

بلاغ میں چونکہ کوئی چیز طالب علمانہ ذوق کی نہیں ہوتی اس لئے اڈیٹر الاصلاح کو اس کے مطالعہ کا موقع کبھی مشکل ہی سے ملتا ہے جنوری اور فروری کے پرچوں میں چونکہ بعض متعلق باتیں تھیں اس لئے سامنے

موجود ہیں۔ آپ لوگوں کی تحدی کی بلند آہنگی سنکر تو ہم سہم جائے۔ لیکن ہم نے ہمت کر کے فروری کا پرچہ اٹھایا اور تفسیر بیان القرآن کے چند صفحے جو اس میں شائع ہوئے ہیں دیکھے۔ آپ لوگ چاہیں تو صرف اس ایک ہی پرچہ کے چند صفحات کے اندر سے مترجم کی متعدد ادبی اور نحوی بےخبری کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور یہ صرف وہ غلطیاں ہیں جن میں مترجم بالکل منفرد ہے۔ بعض مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن الا ما ملکت یمینک الآیہ

اس آیت کا ترجمہ مترجم نے یہ کیا ہے۔

"تیرے واسطے کوئی عورت حلال نہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ کہ ان کے بجائے دوسری بیویاں تبدیل کرے اگرچہ تجھے ان کا حسن خوش لگے مگر یہی تیرے ہاتھ جن کے مالک ہو گئے۔"

اس آیت میں مترجم نے "من بعد" کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی ہے کہ "الا ما ملکت" کا جو مطلب مترجم لینا چاہتا ہے وہ "من بعد" کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ "الا ما ملکت" سے مترجم کے نزدیک وہی بیویاں مراد ہیں جو بروقت آنحضرت کے حبالۂ عقد میں ہیں، اور استثنا بغرض حصر ہے۔ یعنی جو بیویاں تمہارے نکاح میں ہیں صرف وہی بیویاں تمہارے لئے جائز ہیں۔ مترجم کو یہ مطلب لینے کے لئے ضروری ہوا کہ "من بعد" کو قرآن مجید سے خارج کر دے کیونکہ "من بعد" کے باقی رکھنے کے بعد مترجم کو ترجمہ یوں کرنا پڑتا کہ "تیرے لئے کوئی عورت حلال نہیں ہے۔ ان کے بعد...... مگر یہی تیرے ہاتھ جن کے مالک ہو گئے۔" ظاہر ہے کہ اس ترجمہ کے بعد آیت خود بول اٹھتی کہ مترجم نے جو مطلب لیا ہو بالکل غلط ہے کیونکہ یہ کہنے کے کوئی معنی ہی نہیں کہ "تیرے لئے ان عورتوں کے بعد نہیں جائز ہیں مگر یہی عورتیں"۔ اس میں "الا ما ملکت" کا ٹکڑا بالکل بے فائدہ اور زائد ہو جاتا ہے اور قرآن مجید حشو و زوائد سے بالکل پاک ہے۔ پس قرآن کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کے لئے مترجم مجبور ہوا کہ بے دریغ ایک سنگین قسم کی تدلیس کا مرتکب ہو اور

یحرفون الکلم عن مواضعہ کی ایک شوم مثال قائم کرے۔ حالانکہ اگر مترجم چاہتا تو "من بعد" کو باقی رکھتے ہوئے بھی اپنی تاویل کو ظاہر فریب بنا لیتا۔ لیکن اس ظاہر فریبی کیلئے بھی عربی دانی کی ضرورت تھی اور یہ بھی اسی وقت تک قائم رہتی جب تک کسی عربی کے طالب علم کی نظر سے محفوظ رہتی۔

۲۔ فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ط

اس ٹکڑے کا ترجمہ مترجم نے یہ کیا ہے۔

"پس جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور حدیثیں سننے کے لئے دل لگا کر نہ بیٹھے رہا کرو۔"

اس میں مترجم نے "حدیث" کا ترجمہ "حدیثیں" کیا ہے۔ حالانکہ حدیث کا لفظ ہماری مصطلح حدیث کے لئے کلام عرب یا قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا ہے۔ اس لئے یہ ترجمہ کلام عرب سے انتہائی جہل و بےخبری کا نتیجہ ہے، اور ساتھ ہی یہ قاعدہ زبان سے بھی بےخبری کی ایک دلچسپ مثال ہے۔ اگر قرآن مجید نے یہ اصطلاح اختیار کر لی ہوتی تو لحدیث نہ فرماتا للحدیث فرماتا۔ پھر یہ "سننے کیلئے" کس لفظ کا ترجمہ ہے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ "مستانسین" کو مترجم نے اردو مصدر "سننا" سے مشتق سمجھ لیا ہو!! یہ بات ہم کو کھٹکتی ہے۔ امید ہے کہ نوشی صاحب یا شفیع صاحب اس پر روشنی ڈالیں گے۔

ہمارے نزدیک مترجم نے یہاں تالیف کلام بھی نہیں سمجھی ہے۔ صحیح تالیف یہ ہے کہ "ولا مستانسین" کا عطف غیر ناظرین اناہ پر ہے۔ مگر چونکہ بعض ارباب تفسیر نے ایک ضعیف مذہب یہ بھی نقل کیا ہے، اور ہمارے اردو مترجمین قرآن نے، جو عربیت سے زیادہ ترجمہ کی روانی کے شائق ہیں، اسی کو اختیار بھی کر لیا ہے۔ اس لئے اس بارہ میں ہم مترجم پر اعتراض نہیں کرتے۔ مترجم کا دماغ ایک غلط سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے اسلئے جہاں کہیں وہ اپنا اجتہاد چھوڑ کر دوسرے مترجمین و مفسرین کی باتیں لیتا ہے تو بالعموم انھیں باتوں کو اٹھاتا ہے جن میں ان سے مسامحت ہو گئی ہے۔

اس سے ان منکرین حدیث کی ذہنیت کا ایک عجیب و غریب پہلو آشکارا ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ متدبر

میں ہوتے تو لوگوں کو آنحضرتؐ کی باتیں سننے سے روکتے۔ حالانکہ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید میں یہ کام یہود، منافقین اور کفار کا بتلایا گیا ہے اور متعدد آیتوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مجید طالب صحبت نبیؐ پر زیادہ سے زیادہ حث و تحریض فرماتا ہے اور کبھی کبھار جب یہ صورت پیش آئی کہ آنحضرتؐ کسی امر اہم میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسی طالب استماع حدیث و تزکیہ سے ذرا بھی غیر ملتفت ہوئے تو آپ کو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا۔ اس حقیقت کی ایک نہایت واضح شہادت سورہ عبس میں ہے اور جو لوگ آنحضرتؐ کی مجالس سے بیزار ہوتے تھے، یا آپ کی باتیں سننے کے شائق نہ تھے، یا مجالس سے چپکے سے کھسک جاتے تھے، یا لوگوں کو ورغلاتے تھے کہ آپ کی باتیں نہ سنیں ان کو نہایت ترش الفاظ میں تہدید فرمائی گئی ہے۔ اور انکی مذمت میں قرآن مجید کی اتنی آیتیں اتری ہیں کہ ان سب کو جمع کرنے کے لیے مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ بلکہ ہم پورے یقین کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبیؐ کی زیادہ سے زیادہ صحبت کو تفقہ فی الدین کا اصل سرچشمہ قرار دیا گیا ہے اور منجملہ مقاصد ہجرت کے ایک اہم مقصد اسکا یہ بھی تھا۔ خود سکونت مدینہ کی فضیلت بھی زیادہ تر اسی پہلو سے تھی۔ یہ تمام باتیں قرآن مجید سے ثابت ہیں پھر ان کی موجودگی میں یہ بات کتنی عجیب ہے کہ قرآن مجید میں اس بات کیلئے آیت اترے کہ مسلمان آنحضرتؐ کے پاس حدیثیں سننے کے لئے نہ جمع ہوں۔ یا للعجب!!

۳- ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

اس آیت کا ترجمہ مترجم نے یوں کیا ہے۔

"تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ کرتے ہیں تو اے ایمان والو، تم بھی ہر وقت اس (نبی) کی خبر میں لگے رہو اور سلامت رکھو اسے سلامت رکھنا۔"

اسکے بعد لفظ صلوٰۃ کی تحقیق یہ بیان فرمائی ہے۔

"صلوٰۃ۔ یعنی ٹیڑھے بانس کو آگ پر سیدھا کرنا، یعنی اصلاح کرنا ہے۔"

پس مطلب یہ ہوا کہ اللہ اور فرشتے نبی کی اصلاح کرتے ہیں اور چونکہ اصلاح خیر خواہی کا کام ہے اس لئے ایک قدم آگے بڑھکر اصلاح کے معنی بھلائی کرنے کے ہوگئے، چنانچہ مومنین کو جو حکم ہوا کہ صلوا علیہ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر کی بھلائی میں لگے رہو۔

مترجم کی ذہانت قابل داد ہے۔ لیکن اس نے اپنی اس "تحقیق انیق" کی تائید میں نہ کسی لغت کا حوالہ دیا ہے۔ نہ کلام عرب سے کوئی شہادت پیش کی ہے۔ ہمارے سامنے لسان، صحاح، جمہرۃ اللغۃ، اقرب الموارد، صراح، منجد وغیرہ ہیں۔ ان میں صلوٰۃ کے یہ معنی کہیں نہیں لکھے ہیں۔ اس لئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مصنف نے یہ معنی اپنے جی سے گھڑ لئے ہیں۔ ہاں صلی اللحم یصلیہ بمعنی شواہ اور صلی النار و بالنار یصلی صلیا بمعنی قاسی حرھا واحترق بھا ودخل فیھا ملتے ہیں لیکن یہ یاء ی سے واوی نہیں۔ و منتا منھا اسی سے محاورہ ہے صلی عصاہ علی النار یا بالنار۔ جس کے معنی ہیں اس نے لٹھیا کو آگ پر نرم کرکے سیدھا کیا۔ ہمارا خیال ہے کہ اسی محاورہ پر کہیں مصنف کی نظر پڑ گئی ہے۔ لیکن عربی زبان کے قواعد نہ جاننے کی وجہ سے اولاً تو وہ دونوں کے فرق کو نہ سمجھ سکا، ثانیاً اس محاورہ کا صحیح استعمال بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ صرف ایک دھندلا سا مفہوم اس کے دماغ نے اٹھایا اور وہی تفسیر میں داخل ہوگیا۔

حالانکہ اگر یہ محاورہ ہے۔ اور بے شک ہے، تو اس کو استعمال اسی طریقہ پر ہونا چاہیے جس طریقہ پر اہل زبان نے استعمال کیا ہے، یہ تو نہیں ہو سکتا کہ خواجہ صاحب جس طرح چاہیں اس کو ذبح کر دیں۔ پس دیکھنا چاہیے کہ اس کا طریقہ استعمال کیا ہے۔ اس کا طریقہ استعمال ہے صلی العصا علی النار یا بالنار (اس نے اپنی لٹھیا آگ پر سینک کر سیدھی کی) اس میں غور کرکے دیکھو۔ حرف جار (علی یا باء) لفظ عصا پر داخل نہیں ہے، نار کے لفظ پر داخل ہے اور معنی کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ ایک چیز وہ ہے جس کی سینک کر اصلاح کی جائے گی، اور ایک شے وہ ہے جس پر وہ سینکی جائے گی۔ پس علی یا باء اس پر داخل ہونا چاہیے جس کے ذریعہ فعل واقع ہو۔ نہ کہ مفعول پر۔

طریقہ استعمال اور محاورہ کا صحیح مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب خواجہ صاحب کی تحقیق کی روشنی میں

یصلون علی النبی کے معنی پر غور کرو۔ وہ ترجمہ کرتے ہیں: "تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ کرتے ہیں" اور "صلوٰۃ کرتے ہیں" کی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ "نبی کی اصلاح کرتے ہیں" حالانکہ ان کے پیش کردہ محاورے کے لحاظ سے ترجمہ یوں ہونا چاہیے کہ "اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر گرم کرکے یا سینک کر اصلاح کرتے ہیں"۔ باقی رہی یہ بات کہ کس کی اصلاح کرتے ہیں، کس کو سینکتے اور تپاتے ہیں تو یہ بتانا ابھی خواجہ صاحب کے ذمہ باقی رہا جاتا ہے، کیونکہ از روئے محاورہ مذکورہ یہاں یصلون کا مفعول ضروری ہے۔ اطمینان کے لئے قیس بن زہیر کا ایک شعر سن لیجئے

فلا تعجل بامرک واستدمہ فما صلی عصاہ کمستدیم

اپنے معاملہ میں جلدی نہ مچایا کرو بلکہ لگے رہا کرو۔ اپنی لٹھیا بہتر طریقہ پر وہی سیدھی کرتا ہے جو لگا رہتا ہے۔

دیکھئے شاعر کہتا ہے صلی عصاہ، صلی علی عصاہ نہیں کہتا ہے۔ پس خواجہ صاحب جو معنی بیان فرماتے ہیں، وہ اگر صحیح ہو سکتے تھے تو صرف اس شکل میں کہ یصلون علی النبی کے بجائے یصلون النبی ہوتا۔ کارکنان بلاغ کو چاہئے کہ لغت اور کلام عرب میں اس محاورہ کا تتبع کریں۔

ہم خواجہ صاحب کی خاطر سے تھوڑی دیر کے لئے لغت اور ادب کے رسوم و قیود کو توڑ دیتے ہیں۔ اور وہی معنی تسلیم کر لیتے ہیں جو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ لیکن ایک بات ضرور دریافت کریں گے کہ یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ کے کیا معنی ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ کو تو حق ہے کہ پیغمبر کو آزما کر، آفتوں میں ڈال کر تجربوں میں تپا کر، مصائب میں جانچ کر اس کی اصلاح کرے۔ لیکن کیا مومنین کو بھی حق ہے کہ اس کو طرح طرح کے فتنوں میں ڈال کر اس کی اصلاح و تربیت کریں۔ اگر لفظ اپنے ان تمام حقائق سے مجرد ہو گیا ہے تو کیا لفظ کے تجرد کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ اور کیا ایسا لفظ جس کی اسپرٹ یہ ہو ایسے موقع پر وقار نبوت اور بلاغت کلام کے لئے مناسب ہوگا؟ پیغمبر کا درجہ آپ کتنا ہی نیچا کر دیجئے لیکن امت کا درجہ تو خدا کے برابر نہیں کر دے سکتے! عربی زبان سے ناواقفیت سہی تو ہو خدارا ایک عام آدمی کا مذاق تو پیدا کیجئے!

پھر عدی بن رقاع کا شعر ہے۔

صلی الالہ علی امرئ ودعتہ واتم نعمتہ علیہ وزادھا

اعشیٰ کہتا ہے

علیک مثل الذی صلیت فاغتمضی نوما فان لجنب المرء مضطجعا

خواجہ صاحب کی تحقیق کی روشنی میں ان شعروں کے کیا معنی ہوں گے؟

اس مادہ کے اصل معنی پر اہل لغت نے ایک حد تک بحث کی ہے لیکن سب سے زیادہ تشفی بخش تحقیق استاذ امام کی ہے۔ ان دوستوں میں کوئی ان مباحث کا اہل نہیں ورنہ جی چاہتا ہے کہ اس لفظ کی اصل حقیقت پیش کی جائے۔ مگر اس وقت تو اصل بحث یہ ہے کہ خواجہ صاحب کا یہ ترجمہ از روئے لغت و محاورہ کلام و نیز قواعد زبان صحیح بھی ہے یا نہیں۔ بوجوہ مذکورہ بالا ہمارے نزدیک نہ صرف غلط بلکہ جہالت اور بیخبری کی ایک عبرت انگیز مثال ہے!

اور ہاں حضرات! یہ صلوا تسلیما اور "سلامت رکھو، سلامت رکھنا" کے کیا معنی؟ "سلم الشئی من الآفۃ" کسی شے کو کسی آفت سے بچانے کے معنی میں مستعمل ہے۔ مگر اس کا مطلب کیا ہوا؟ رسول امت کی تحویل میں تو ہے نہیں کہ لوگوں پر اس کو حفاظت سے رکھنے کی ذمہ داری ہو؟ رہیں اس کی تعلیمات تو یقیناً حدیث اور سنت کے لئے تو یہ حکم ہو نہیں سکتا، اس سے آپ لوگوں کو انکار ہے؟ باقی رہا قرآن تو اس کی نسبت خدا نے خود فرمایا ہے کہ "ہم نے اس کو اتارا ہے وانا لہ لحافظون اور ہم اس کے محافظ ہیں"۔ اس کی ذات کے لئے یہ وعدہ موجود ہی ہے کہ واللہ یعصمک من الناس۔ اور قرآن مجید میں یہ بات بھی متعدد مقامات میں واضح کر دی گئی ہے کہ خدا، اس کا دین، اور اس کے رسول ہمارے رحم و کرم کے محتاج نہیں ہیں، ہم ہی ان کے محتاج ہیں بل انتم الفقراء۔ پھر اسے "سلامت رکھو سلامت رکھنا" کا کیا مطلب ہے؟ ممکن ہے صلوا علیہ میں امت کو جو یہ حکم دیا گیا ہے کہ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) پیغمبر کو سینک کر اور تپا کر اصلاح کرو تو اس کے ساتھ سلموا تسلیما بطور مبرد اس لئے کہہ دیا گیا ہو کہ سینکنا اور تپانا کہیں حد سے متجاوز نہ ہو جائے بلکہ بچا بچا کر ہو۔ اس مہارت و کاروائی کے ساتھ جو جام و سندان کی بازی میں شرط ہے: وہ ایک پرانا مقولہ ہے نہ

ــــ کج دار و مریز! سچ یہ ہے کہ ان باریک نکتوں تک پہنچنا کچھ مصنف بیان للناس ہی کے لئے مقدر تھا! لغت والے الفاظ کے قشر پر مفتوں ہیں اور اعراب والے رفع و نصب کے چکر میں گم ہیں۔ اور

دے پیچ ادھر زلف اڑا لے گئی دل کو

کیا ان مجاہدۂ کلام کو یہی بتانے کی ضرورت ہے کہ یہاں محض سلوا یا سلوہ نہیں ہے بلکہ سلوا علیہ ہے کہ جس میں علاوہ مخالفہ سوء ہے تو تنبیہ کا دہرانا نہیں؟

۴۔ ملعونین: اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا ۝

مترجم نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

ملعون بنکر (چھپ کر یا بھیس بدل کر) (آخر شرارت کرکے کبھی) کبھی ظاہر ہو جائیں گے پھر) جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے (قید و بند کی سزائیں بھگتیں گے) (اور بعض دفعہ سنگین جرائم وغیرہ میں) قتل بھی کئے جائیں گے خوب قتل کرنا۔

اس ترجمہ میں چند در چند غلطیاں ہیں۔

الف۔ ملعونین کا مفہوم چھپ کر یا بھیس بدل کر بالکل غلط ہے۔ لغت اور استعمالات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ لعنت ترین مذہبی سزا ہے جو کسی جماعت یا فرد کو خدا کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اس کی اصل ابعاد اور طرد ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو ملعون ہوتا ہے وہ جماعت سے کاٹ دیا جاتا ہے اور معذب ہوتا ہے۔ چھپنا اور بھیس بدلنا خود ان کا فعل ہے اور لعنت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ "ملعونین" کا نتیجہ قرآن نے اخذوا وقتلوا تقتیلا کہکے خود بیان فرما دیا اس میں مصنف کے اقوال کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

ب۔ "اخذوا وقتلوا تقتیلا" کی تشریح مترجم نے اس طرح کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مختلف سزائیں مختلف نوعیت کے مجرمین اور مختلف حالات کے لئے ہیں حالانکہ اسالیب زبان کے اعتبار سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہاں حرف عطف واؤ ہے جو اصلاً جمع کے لئے ہے پس اخذ و تقتیل دونوں ایک ہی کے لئے ہونا چاہئے۔ اگر مختلف حالات کے لحاظ سے یہ دو مختلف سزائیں ہوتیں تو اسلوب کلام

ہو اور ہوتا مثلاً مائدہ میں فرمایا ہے۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض

اور انفال میں جہاں کفار آنحضرت کے خلاف مشورے کرتے تھے ان کی مختلف تجویزوں کو یوں بیان فرمایا

واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک۔

اس کے شواہد بے شمار ہیں لیکن اختصار مانع تفصیل ہے۔ فافہم

ج۔ قتلوا تقتیلا کا ترجمہ مترجم نے ایسا کیا ہے جس سے کمیت فعل ظاہر ہوتی ہے حالانکہ یہ کیفیت فعل کو بتا رہا ہے یعنی شر تقتیل کو۔ لیکن اس کا تعلق ذوق زبان سے ہے اور ہم اس سے اس لئے درگذر کرتے ہیں کہ اس کے ترجمہ میں بعض دوسرے مترجمین سے بھی سامحت ہو گئی ہے اور مترجم نے انہی کی عامیانہ تقلید کی ہے۔

۵۔ وما یدریک لعل الساعۃ قریبا

اس کا ترجمہ مترجم نے یہ کیا ہے:۔ "تجھے کیا معلوم کہ وہ گھڑی قریب ہی ہو"۔

مترجم کے ترجمہ میں لفظ "کہ" بتا رہا ہے کہ وہ لعل الساعۃ الخ کو وما یدریک کا مفعول سمجھ رہا ہے حالانکہ یہ اس کا مفعول نہیں ہو سکتا۔ اس کا مفعول محذوف ہے۔ اسکا پتہ مقابلہ سے چلتا ہے ایک جگہ ہے وما یدریک لعل الساعۃ قریب یعنی ما یدریک ان الساعۃ بعید فلعلہا قریب ہو۔ دوسری جگہ ہے وما یدریک لعلہ یزکی۔ اس میں بھی مفعول محذوف ہے۔ اور مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی کیف العلم یدریک انہ لم یحظ لما یسرک من التزکی او التذکر فلعلہ یزکی۔ اس لئے ترجمہ میں "کہ" ہرگز نہ ہونا چاہئے ورنہ لعل الساعۃ تکون قریبا مفعول بن جائے گا۔ اور حذف کا نشان گم ہو جائے گا۔ عربی جاننے والے اس نکتہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ لعل الساعۃ کو مفعول مان لینے میں آیت کا

مطلب بالکل خبط ہو جاتا ہے۔ ترجمہ میں آپ کو اختیار ہے کہ آپ محذوف کو کھولیں یا نہ کھولیں لیکن آیت کی ترکیب غلط کر دینے کا اختیار نہیں ہے۔

۶۔ یوم تقلب وجوہہم الآیۃ کا ترجمہ بلا کسی قرینہ کے حال کا کیا ہے۔

۷۔ قولوا قولا سدیدا

اس کا ترجمہ مترجم نے یہ کیا ہے۔ "قول کو پختہ کرو"

یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ باعتبار نحو بھی، باعتبار زبان بھی۔ "پختہ کرو" کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ السدد کے معنی ہیں القصد فی القول والوفق والاصابہ۔ اسی سے ہے سدید اور سداد بمعنی الصواب من القول۔ یقال انہ لیسدد فی القول ای یصیب السداد یعنی القصد۔ ویقال قل قولا سددا وسدادا وسدیدا ای صوابا۔ اعشی کا شعر ہے۔

ماذا علیہا وماذا کان ینقصہا یوم الترحل لو قالت لنا سددا

اس کا کیا نقصان تھا اور کیا بگڑ جاتا اگر کوچ کے دن ہم سے سیدھی بات کہتی۔

۸۔ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان الآیۃ

اس میں لفظ حمل کی تحقیق ارشاد ہوتی ہے۔

"حمل کے معنی یہ بھی ہیں کہ انھوں نے اس کے حکم "اٹھا دینے" سے یعنی "نہ ماننے" سے انکار کیا کہ بھلا آپ کا حکم ہو اور ہم اٹھا دیں؟ یعنی ہٹا دیں، ایسا ہرگز نہ ہوگا مگر اس صاحب اختیار نے ذمہ لیکر حکم اٹھا دیا یعنی عدول حکمی کر دی اور ظالم و جاہل بنا۔"

"حمل" کے معنی حکم اٹھا دینا یعنی نہ ماننا عربی لغت میں کہیں موجود نہیں ہے۔ بلکہ حکم اٹھا دینا بمعنی حکم ہٹا دینے کے شاید پنجاب کی بولی میں آتے ہوں تو آتے ہوں ورنہ اردو میں بھی کوئی اچھا محاورہ

نہیں ہے۔ مگر چونکہ اڈیٹر الاصلاح اردو کا اسکالر نہیں ہے اس لئے اس پر کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ البتہ عربی کے متعلق پوری ذمہ داری کے ساتھ دعوی کرتا ہے کہ حمل کے یہ معنی ہرگز نہیں آتے اور اس پر تمام عرب سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہے۔

ہاں ابو اسحاق زجاج رحمہ اللہ نے اس آیت کی تاویل میں ندرت پیدا کرنے کے لئے حمل کے معنی لغت کے بالکل خلاف گڑھے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہی بات مصنف تفسیر بیان للناس کے دماغ میں بگڑ کر کچھ اور مسخ ہو گئی۔ زجاج نے حمل الامانۃ کے معنی خان الامانۃ کے لئے ہیں لیکن وہ اپنی اس رائے میں بالکل منفرد ہے۔ اہل لغت و ارباب تاویل میں سے کوئی اس کے ساتھ نہیں۔ ابو منصور کہتے ہیں وما علمت احدا شرح من تفسیر ہذہ الآیۃ ما شرحہ ابو اسحاق۔ میں کسی کو بھی نہیں جانتا کہ اس نے اس آیت کی وہ تاویل کی ہو جو ابو اسحاق نے کی ہے۔ خواجہ صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے زجاج کی غلطی کو زندہ کیا اور وہ بھی کچھ اور مسخ کر کے۔

زجاج نے حمل الامانۃ کے جو معنی بتائے ہیں۔ وہ بالکل غلط ہیں۔ کلام عرب کا پورا دفتر اس کے خلاف شہادت ہے۔ اس کی تائید میں زیادہ سے زیادہ جو چیز پیش کی جا سکتی ہے یہ شعر ہے۔

اذا انت لم تبرح تؤدی امانۃ وتحمل اخری افرحتک الودائع

لیکن اس شعر کے قائل کا پتہ نہیں اور مجہول النسب شعر سے استناد بالخصوص قرآن کے معاملہ میں ارباب تاویل کے اصول کے خلاف ہے۔ پھر اس شعر سے بھی کسی طرح زجاج کے دعوی کی تائید نہیں ہوتی۔ زجاج کے نقطہ نظر سے شعر کے معنی یہ ہیں۔

"جب کہ تو برابر ایک امانت ادا کریگا اور دوسری دبا بیٹھے گا تو آہستہ آہستہ فراواں شدہ امانتوں کا بوجھ تجھ کو دبا لیگا"

حالانکہ یہ ترجمہ کرنے میں لغت سے انحراف کے باوجود شعر میں کوئی خوبی نہیں پیدا ہوتی۔ شعر کا صحیح ترجمہ یوں ہونا چاہئے۔

جبکہ یہ بات ہو کہ ایک ذات تو اوا کرتا ہے اور دوسری قبول کرتا ہے تو یہ ادائیں تجھکو خوش کریگی۔ کیونکہ اس طرح ترکِ

اقتوں کا ادا کرنا آسان ہے اسی میں پھیر ہو کر کے (ادا کرنا۔ ٹ کو)

پس ہمارے نزدیک زجاج کا قول غلط ہے۔ قرآن کی تاویل ہمیشہ معروف معنی کے اعتبار سے کرنی چاہئے۔ غریب اور شاذ معنی بھی نہ لینے چاہئیں چہ جائیکہ ایسے معنی جس کا سرے سے وجود ہی نہ ہو۔

یہ ہم نے تفسیر بیان للناس کے صرف اتنے حصہ پر نظر ڈالی ہے جو فروری ۱۹۳۸ء کے بلاغ میں شائع ہوئی ہے اور غلطیاں صرف وہ بتائی ہیں جو نحو اور ادب کی موٹی موٹی غلطیاں ہیں اور ترجمہ سے تعلق ہیں۔ باریک غلطیاں اس لئے چھوڑ دی ہیں کہ عام اردو داں طبقہ جو عربی زبان کی نزاکتوں سے بیخبر ہے ان سے محظوظ نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں تفسیر و تاویل کی غلطیوں سے بالکل اغماض کیا ہے کیونکہ اس اعتبار سے شاید ہی اس تفسیر کی کوئی بات صحیح ہو۔ سر تا سر حدیث خرافہ ہے اور الاصلاح کے صفحات خرافات کی تردید کیلئے نہیں ہیں۔

ہم نے ان غلطیوں کو بھی چھوڑ دیا ہے جو مصنف کے غلط پسند دماغ نے دوسرے مترجمین و مفسرین کی مسامحات کی عامیانہ تقلید سے جمع کر لی ہیں حالانکہ وہ بھی بہر حال غلطیاں ہیں اور محض اس لئے صحیح نہیں ہو جائیں گی کہ خواجہ صاحب کے علاوہ لوگ بھی ان کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ورنہ " فی قلوبھم مرض " " لا یجاورونك فیھا الا قلیلا " " بغیر ما اکتسبوا " وغیرہ اور بعض دوسری آیات کے ترجمے بھی قابل توجہ تھے۔

تحقیق قربانی والا مضمون، دفتر میں تلاش کرایا مگر ملا نہیں۔ بلاغ کے دفتر کو خط لکھا ہے۔ اگر مل گیا تو ان شاء اللہ آئندہ نمبر میں اس کے عجائب بھی پیش کروں گا۔ افسوس ہے کہ الاصلاح کی اشاعت

ی بالکل آخری تاریخیں آگئی ہیں اور صفحات بالکل رک گئے، نیز طبیعت اچھی نہیں ہے اس لئے زیادہ تدقیق نگاہ نہ ڈال سکا ورنہ خواجہ صاحب تو ہر آیت کے ترجمہ میں اپنی قابلیت کے اتنے دلائل فراہم کر دیتے ہیں کہ ادنیٰ ایک آیت کے اسرار و معارف کی تلاش میں صبح کر دے سکتا ہے۔ اخیر میں اس جماعت کے حامیوں سے التماس ہے کہ وہ خالدین فیھا کی تفسیر، تفسیر بیان للناس میں ضرور پڑھیں۔ ہم کو تو پڑھکر وہ مصرع یاد آگیا۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اڈیٹر بلاغ کو فارسی شعروں کے پڑھنے کا شوق ہے۔ خواجہ حافظ کا ایک شعر انکی نذر ہے۔

شرح مجموعۂ گل مرغ سحری داند
کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

دائرہ حمیدیہ کی ایجنسی
لاہور میں

لاہور میں دائرہ حمیدیہ کی تمام اردو مطبوعات اور الاصلاح کی ایجنسی قائم ہوگئی ہے۔ وہاں کر مندرجہ ذیل کتابیں اپنی اصلی قیمت پر ملیں گی جو لوگ مزید مصارف کے متحمل نہیں ہو سکتے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

تفسیر سورہ فیل	۸/	تفسیر سورہ اخلاص	۵/
تفسیر سورہ کوثر	۸/	تفسیر سورہ کافرون	۴/
تفسیر سورہ لہب	۶/	الاصلاح فی پرچہ	۶/

ملنے کا پتہ:- محمد عمر خان نیوز ایجنٹ کالج بک اسٹال چوک نیلا گنبد انار کلی کچہری روڈ لاہور

مقالات

عربوں اور ترکوں کے اختلاط پر ایک تاریخی نظر

از مولوی عبداللطیف صاحب اعظمی

عربوں اور ترکوں میں، اسلام سے قبل کسی قسم کا تعلق نہیں تھا اور نہ کوئی شخص یہ تصور کرسکتا تھا کہ جزیرۂ عرب اور وسط ایشیا کی دو بالکل مختلف النسل اور مختلف المقام قوموں میں کبھی وہ ربط پیدا ہوجائے گا، جو طلوع اسلام کے بعد ترکوں اور عربوں میں پیدا ہوا۔

ترک عربوں سے اخلاق، آداب، معاشرت اور زبان وغیرہ میں بالکل مختلف تھے۔ ترکی زبان نہ صرف یہ کہ عربی الفاظ سے بالکل خالی تھی بلکہ ترکیبوں اور اسلوبوں میں بھی عربی سے اسقدر بیگانہ تھی کہ نہ ترک عربی سمجھ سکتے تھے نہ عرب ترکی۔

جب عرب، اسلام کو لیکر جزیرۂ عرب سے نکلے تو ایک مختصر مدت میں معمورۂ ارض کے بڑے حصہ پر قابض ہوگئے، انھوں نے ترک ممالک کو فتح کیا۔ ماوراء النہر کو عبور کرکے بخارا، سمرقند، فرغانہ اور اشروسنہ وغیرہ پر اسلامی پرچم لہرایا۔ ان مفتوحہ ممالک میں قبائلی زندگی کا رواج تھا۔ امرا یا ملوک کو یہ خاقان یا اخشید کہتے تھے۔ مفتوحہ قوم تمامتر بتوں اور مورتوں کو پوجتی تھی، عربوں نے ان میں ایک جدید تمدن اور نئی معاشرت کی طرح ڈالی ان میں بڑے بڑے اشخاص پیدا ہوئے، جنھوں نے صدیوں تک نہایت شاندار حکومت کی۔

ترکوں کے لحاظ سے عربوں کے عہد حکومت کو دو دوروں ہی میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (۱) دورِ خدمت یعنی ابتدائے اسلام میں ترکوں کا عربوں کی فوج میں داخل ہونا اور ان کی خدمت کرنا (۲) ترکوں کی سیادت عربوں پر۔

اسلام میں ترکی سیادت آزادی اور بہادری عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ جو کچھ کمی تھی، شیرازہ بندی کی تھی جو اسلام کے بعد یہ بھی پوری ہوگئی۔ اسلام نے انھیں ایک علم کے نیچے جمع کر دیا اور اونٹوں کی مہاروں کے بجائے عالم کی زمامِ قیادت ان کے ہاتھ میں دیدی۔ چنانچہ وہ پہلی صدی ہجری ہی کے اندر اندر، دنیا کے طول و عرض میں چھاگئے۔ اکثر و بیشتر مقامات پر انھیں کی تہذیب تھی اور انھیں کا تمدن۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں ثابت کیا ہے کہ حکومت کے قیام اور بقا کے لئے عصبیت ضروری ہے جب تک قوم میں عصبیت ہوتی ہے، وہ ترقی کے منازل طے کرتی ہے۔ جہاں اس کی عصبیت میں ضعف پیدا ہوا، حکومت پر زوال طاری ہوجاتا ہے۔ عربوں کی تاریخ پر اگر غور کیا جائے تو ابن خلدون کا نظریہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوتا ہے۔ عربوں کی شاندار حکومت کے شاندار زوال کا سب سے بڑا سبب عربی عصبیت کا ضعف ہے۔

تاریخ کے طالب علم سے یہ راز مخفی نہیں کہ دولت عباسیہ کے قیام میں سب سے بڑا ہاتھ عجمیوں کا تھا۔ بعض کی وجہ سے اموی خلافت کو مٹا کر، عباسی حکومت قائم کی گئی تھی۔ یہ عجمی عنصر ابتدا میں پشت پناہی کرتا تھا۔ لیکن حکومت کے بعد اس میں عجمیت کی اسپرٹ ابھر آئی۔ اور اس نے عربوں کی سیادت کے جوئے کو اتارنے کی کوشش شروع کی شعوبیہ کی تحریک اس سلسلہ کی ایک مشہور کڑی ہے۔

عربی سیادت کے خلاف، ایرانیوں کی جدوجہد سب سے نمایاں تھی۔ وہ خسرو پرویز اور انوشرواں کے عہد کے خواب دیکھ رہے تھے۔ یہی حال روم کا تھا، مغرب اور مصر بھی آزادی کے خواہاں تھے۔ لیکن عربوں کی سیادت کا خاتمہ اس وقت ہوا، جب امین اور مامون میں خانہ جنگی شروع ہوئی اور قدرتاً مامون کے

ق میں فیصلہ دیا۔ امین اور مامون کی جنگ درحقیقت دو بھائیوں کی جنگ نہ تھی بلکہ عربی اور عجمی عصبیت کی جنگ تھی۔ مامون کی کامیابی کے بعد عربوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور خلفا کی حکومت کا دارومدار محض عجمیوں پر باقی رہ گیا خصوصاً ترکوں پر۔

ترکوں کی خدمت اسلامی فوج میں

ترکوں اور عربوں کے درمیان سب سے پہلے ولید اول کے عہد میں تعلقات پیدا ہوئے، جسے بنو امیہ کا زریں عہد کہا جاتا ہے۔ اسی زمانہ میں خوارزم، بخارا، سمرقند، تاشقند، فرغانہ، خجند، کاشان اور کاشغر قتیبہ بن مسلم کی قیادت میں فتح ہوئے تھے اور وہاں عربوں کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت تک ترکوں اور عربوں میں صرف فاتح اور مفتوح یا حاکم اور محکوم کا تعلق تھا۔ اسلامی فوج اور پھر دربارِ خلافت میں انھیں عباسیوں کے ایام زوال میں بار حاصل ہوا اور ان کا اثر و اقتدار اس قدر بڑھا کہ اصل حاکم یہی ہوگئے، عباسی خلفاء کا نام صرف خطبوں میں باقی رہ گیا۔

سب سے پہلے منصور نے ان کی بہادری اور جنگی قابلیت کی وجہ سے انھیں فوج میں داخل کیا، لیکن اس زمانہ میں انھیں کوئی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ خراسانیوں اور عربوں کا غلبہ تھا۔ وہی حکومت پر چھائے ہوئے تھے۔ لیکن جب رشید کے عہد میں ایرانیوں اور عربوں میں کشیدگی پیدا ہوگئی۔ امین کی خلافت کے بعد عربوں کی سطوت جاتی رہی اور حکومت پر ایرانی حاوی ہوگئے اور انھوں نے انتہائی ظلم وتعدی سے کام لیا نیز جدید تمدن نے بھی مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ ان کے فتح وغلبہ کی قوت جاتی رہی تو مامون کے بھائی معتصم کو ایام ولیعہدی ہی میں اس کی فکر ہوئی ....

.... امین کے قتل سے، ایرانیوں سے اعتماد جاتا رہا تھا۔ عربوں پر بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا، ان کی عصبیت، جو ان کی زندگی اور بقا کی ضامن تھی ختم ہو چکی تھی، وہ جدید حضارت اور عیش ونشاط کے شکار ہو چکے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی صولت وشوکت قطعاً ختم ہو چکی تھی، ایسی صورت میں اسے ترکوں کے سوا کہیں جائے پناہ نظر نہ آئی۔ وہ ابھی تہذیب وتمدن سے ناواقف تھے، عیش ونشاط کی لذتوں سے

بہرہ تھے۔ ان میں بہادری تھی، شجاعت تھی، مرنا اور مارنا جانتے تھے، چنانچہ اس نے سمرقند، اشروسنہ اور فرغانہ کے ترکی نوجوانوں کی ایک فوج تیار کی اور ان کے لئے سامرا میں چھاؤنی بنوائی۔ اس فوج کی وردی دیبا و زری سے مزین تھی، ان کی تربیت پر خاص توجہ مبذول کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ترک اسلام میں داخل ہوگئے۔ ان کی جہالت اور پراگندگی جاتی رہی۔ اب ان میں زندگی تھی، شیرازہ بندی تھی، تہذیب و تمدن تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حکومت پر چھاگئے۔ بابک خرمی کے فتنوں کے فرو ہونے اور عموریہ کی فتح کے بعد ان کے اثر ونفوذ کی تکمیل ہوگئی اور خلافت کلی طور پر ترکوں کے ہاتھ میں آگئی۔ معتصم کے محبوب ترکی ... نے یہ بھی ظاہر کردیا کہ اس "نو خیز" درخت سے کس قسم کے پھل آنے والے ہیں۔

معتصم کے بعد واثق تخت خلافت پر بیٹھا۔ یہ بجائے اس کے کہ ترکوں کی بڑھتی ہوئی قوت اور اثر ونفوذ کو روکتا، انجام سے بے خبر ہو کر اپنے باپ کی پالیسی پر آنکھ بند کرکے عمل کرتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی عنصر اس قدر قوت پکڑ گیا کہ وہ جو چاہتے کرتے، جس کو چاہتے خلیفہ بناتے اور جس کو چاہتے ذلت کے ساتھ معزول کر دیتے۔

متوکل نے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد ترکوں کے غلبہ کو کم کرنے کی کوشش کی، اس نے سوچا کہ جس طرح ہارون رشید نے عجمیوں کی قوت اور اثر ونفوذ کو کچلنے کے لیے برامکہ کو تباہ وبرباد کیا تھا، اسی طرح جب تک انھیں ... ہونے کا خلافت ان کے ہاتھ سے نکلنی مشکل ہے۔ چنانچہ اس نے ترکی سردار ایتاخ کو جو خلافت کے سیاہ و سپید کا مالک تھا حج کے لئے بھیجا اور واپسی میں اسے قتل کروادیا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ جب تک خلافت کا مرکز سامرا رہے گا، ترکوں کے اثر سے حکومت محفوظ نہیں رکھی جاسکتی اس لئے سنہ ۲۴۳ھ میں دمشق کو دار الخلافہ بنایا۔ ترک اس پر راضی ہونے والے کب تھے۔ انھوں نے خلیفہ کو مجبور کیا کہ خلافت کا مرکز سامرا ہی رہے۔ ترکوں نے جب دیکھا کہ متوکل کی خلافت میں ان کی آرزوئیں ہرگز تکمیل نہیں ہوسکتیں تو انھوں نے خلیفہ ہی کو قتل کردیا۔

اس کے بعد منتصر خلیفہ ہوا، مگر کہتے ہیں کہ باپ کے قتل کا اس قدر افسوس تھا کہ چھ مہینے سے زیادہ زندہ

نہ رہ سکا۔ اس کے بعد ۲۴۸ھ میں مستعین باللہ تخت خلافت پر بیٹھا اور اس کے بعد ۲۵۲ھ میں معتز باللہ۔

عباسی خلفاء کی بے بسی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ معتز جب خلیفہ ہوا تو اس نے نجومیوں کو بلایا اور ان سے دریافت کیا "خلیفہ کب تک زندہ رہے گا اور اس کی خلافت کب تک قائم رہے گی" مجلس میں بعض ستم ظریف بھی موجود تھے انھوں نے کہا ہاں! "ہم خلیفہ کی عمر اور مدت خلافت سے خوب واقف ہیں۔" لوگوں نے کہا کہو! انھوں نے جواب دیا "ترک جب تک چاہیں"۔ اس جواب پر پورا ایوان قہقہے سے گونج اٹھا۔ اسی زمانہ کے ایک عربی شاعر نے خوب کہا ہے۔

خلیفة فی قفص　　بین وصیف وبغا
یقول ما قالا له　　کما تقول الببغا

ترکوں نے انتہائی دردناک طریقہ پر جس خلیفہ کو قتل کیا، وہ معتز ہے۔ اسے حرم سرا سے اس بیدردی کے ساتھ گھسیٹ کر لائے کہ اس کی قمیص تار تار ہو گئی تھی اور شانے بری طرح زخمی ہو گئے تھے، ننگے پیر ٹھیک دوپہر کے وقت تمتماتے ہوئے پتھر کے فرش پر کھڑا کر دیا، وہ جلن سے بار بار ایک پیر اٹھاتا تھا اور دوسرا رکھتا تھا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قید خانہ میں بند کر دیا۔ تین دن کے بعد بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ ترکوں کے یہ مظالم اس وقت تک باقی رہے، جب تک ان کی اپنی حکومت نہ قائم ہوئی اور عربوں کی "خدمت" اور "محکومیت" کے بجائے عرب اور غیر عرب کی سیادت ان کے ہاتھ میں نہ آئی۔

ترکوں کی سیاست عہد وسطیٰ میں ترکوں کی سیادت کا آغاز چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور امارتوں سے ہوا جو دولت عباسیہ کے ضعف کی وجہ سے مختلف مقامات پر قائم ہو گئی تھیں، مثلاً طولونیہ، ایلکیہ، اخشیدیہ، غزنویہ وغیرہ انھیں ریاستوں نے بعد میں حکومت کی صورت اختیار کر لی، مثلاً دولت سلجوقیہ۔ اس کا آغاز پانچویں صدی ہجری کی ابتداء سے ہوتا ہے اور ساتویں صدی کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ فارس، ترکستان، ایشیائے کوچک، شام اور عراق اس کے زیر نگیں تھے۔ اس کے بعد مصر اور شام میں غلام سلاطین کی حکومت قائم ہوئی اور آخر میں دولت عثمانیہ نے قدم جمائے۔

جس کے قیام کے ساتھ تاریخ اسلام ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ اس لئے کہ اس وقت عالم اسلام کی حالت بہت خستہ تھی مغلوں کے پے بہ پے حملوں نے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ مسلمانوں نے قسطنطنیہ کی تسخیر کے لیے متعدد حملے کئے مگر سب ناکام رہے۔ عثمانی ترکوں نے قدم جماتے ہی قسطنطنیہ کو فتح کیا، یورپ میں گھسے اور ہنگری تک اسلامی حکومت قائم کر دی۔ آسٹریا کے دار الحکومت وائنا کا محاصرہ کیا، اور شیروق فوتیان کے جزیرے وصول کیا اور سواحل اسپین تک بحر ابیض پر قبضہ کیا۔ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر یورپ کی حکومتیں لرزہ براندام تھیں۔ مشرق میں عراق تک اور جنوب و مغرب میں شام و مصر تک ترکوں کی حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ عباسیوں کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی اور انھوں نے نوجوان ترکوں کے لئے جگہ خالی کر دی۔

عثمانی حکومت کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سلطان سلیمان کے عہد میں ۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ بوداپسٹ[1] سے لیکر اسوان[2] تک اور فرات سے لیکر آبنائے جبل طارق تک اسلامی پرچم لہراتا تھا۔ پورا مغربی عالم اسلامی دولت عثمانیہ کے علم کے نیچے جمع ہو گیا تھا اور جدید ترکی کے قیام تک جمع رہا۔ خلافت اور سلطنت کے اجتماع کو اس قدر طویل زندگی حاصل ہوئی کہ اتنی کسی اسلامی حکومت کو حاصل نہ ہو سکی، حتیٰ کہ عباسی حکومت بھی اپنے غیر معمولی طول عمر کے باوجود اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ صحیح معنی میں وہ صرف تین صدی تک قائم رہی، اس کے بعد محض نام کی تھی۔ حکومت عثمانیہ پہلی اسلامی سلطنت ہے، جس نے سلطنت اور خلافت دونوں کے فرائض ایک ساتھ انجام دیئے اور تمام مسلمانوں نے اسے تسلیم کیا۔

اس زمانہ میں عربی عصبیت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ اندلس میں تھوڑی بہت باقی تھی۔ مصر میں فاطمی حکومت کے زیر سایہ کچھ فروغ ہوا تھا کہ کردوں اور اس کے بعد ترکوں نے اسے کچل دیا۔ اس کے بعد کچھ ایسا خاتمہ ہوا کہ آج تک اسے فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ عربی ممالک میں بعض سیاسی اور دینی اسباب کی بنا پر اس قسم کی بعض تحریکیں اٹھیں مثلاً نجد میں وہابی تحریک اور سوڈان میں دراویش کی تحریک، لیکن وہ

---

[1] ہنگریہ میں واقع ہے۔ [2] نیل پر واقع ہے۔

وقتی حالات کے ماتحت پیدا ہوئی تھیں، اس لئے بہت جلد ختم ہو گئیں۔ محمد علی پاشا بانی خدیویہ نے انیسویں صدی کے اوائل میں ایک بہت بڑی اسلامی حکومت قائم کرنی چاہی، اس کے قیام کے لئے اسلامی عصبیت کی ضرورت تھی، اس وقت ترک اور عرب دونوں مضبوط اور باثر صاحب عصبیت قومیں تھیں، ترکوں کی عصبیت آل عثمان کے ساتھ تھی، اس لئے اس نے عربوں کی ہمدردی حاصل کی اور ان کی عصبیت پر حکومت کی بنیاد ڈالی۔ وہابیت کی جنگ، شریف مکہ اور دوسرے رؤسا، قبائل کی حمایت کی وجہ سے یہ تحریک بہت ترقی کر گئی اور عربی عصبیت کو ایک مرتبہ پھر نشو و نما پانے اور ابھرنے کا موقع ملا۔ مذہبی مدارس، مطابع اور اخبارات نے اسے خوب چمکایا لیکن اس تحریک کا بھی جو حشر ہوا اس سے تاریخ کا ہر طالب علم بخوبی واقف ہے۔

گو ترک عربوں سے کلی طور پر نجات پا چکے تھے، اب ان کی اپنی حکومت تھی، لیکن اجانب[1] کی تہذیب اجانب کی معاشرت اور اجانب کی سیادت ابھی تک قائم تھی، خصوصاً عربوں کو اسلام کی وجہ سے بہت زیادہ عزت اور برتری حاصل ہو گئی تھی...... ان کا وقار نہ صرف عوام بلکہ خواص...... پر بھی مسلط تھا۔ وہ اس ذہنی غلامی سے آزادی حاصل کرنی چاہتے تھے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ان کی زبان کو جو رسوخ حاصل ہو گیا ہے اسے کم کیا جائے۔ سلجوقی عہد سے، سرکاری زبان فارسی اور علمی زبان عربی چلی آتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ دفتروں سے غیر ملکی زبانوں کو خارج کیا اور علمی اور مذہبی کتابیں تمام تر ترکی میں لکھی جانے لگیں۔ یہ تغیر عثمانی عہد کے اوائل میں ہوا۔ دوسرا قدم "تحریک اتحاد و ترقی" کی شکل میں اٹھایا گیا۔ یہ تحریک مشہور ادیب فوق آب ضیا کی سرکردگی میں سالونیکا سے شروع ہوئی۔ گو اس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ ٹھیٹھ ترکی زبان کو رواج دیا جائے اور غیر زبانوں کے کل الفاظ کو خارج کیا جائے۔ جس طرح آج کل اردو کو آسان کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہیں

[1] یہاں "اجانب" کا لفظ ترکوں کی ذہنیت کے لحاظ سے لکھا گیا ہے۔ وہ غیر ترکی مسلمانوں کی تہذیب، معاشرت اور زبان سے وہی برتاؤ کرتے تھے جو کوئی قوم ایک اجنبی قوم کے ساتھ کرتی ہے۔

وہ جذبہ بھی کار فرما تھا جو عربوں سے قطع تعلق اور ان کی "ذہنی غلامی" سے آزادی کیلئے ہر ترک کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس سلسلہ میں تیسرا اور آخری قدم ۱۹۲۸ء میں اٹھایا گیا یعنی ترکوں کی کانگریس نے عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی حروف کو اختیار کر لیا۔ اس انقلاب کی بڑی وجہ یہ تھی کہ

"عربی رسم الخط کے پھندے سے آزاد ہونے کی یہی ایک صورت تھی۔"[1]

گو یہ آخری قدم تھا اور "ذہنی محکومی و غلامی" کا جو ہوا ترکوں کو پریشان کئے ہوئے تھا، اس سے نجات مل چکی تھی لیکن اس کی تکمیل کمال اتاترک کے ہاتھوں ہوئی۔ اس میں ترکی عصبیت تعصب سے بدل گئی۔ اس نے دیکھا کہ ہر چند ہم نے ترکی زبان کو عربی الفاظ سے پاک کر دیا ہے، ہر چند رسم الخط ترک کر دیا گیا، لیکن روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ ہم ایک ...... ایسی زبان کے پڑھنے پر مجبور ہیں جو عربوں سے تعلق رکھتی ہے اور اگر پڑھنا نہ چاہیں تو سننا ضرور پڑتا ہے۔ دن کو ممکن ہے، کاروبار کے ہنگامے میں نجات مل جائے مگر صبح کے سناٹے میں جو صدا کانوں تک پہنچتی ہے، وہ اذان ہے جو عربی میں ہے۔ اس لئے اس نے "مکمل سوراج" کے لئے قرآن کو بھی ترکی میں بدلا، اذان بھی عربی میں باقی نہیں رہی۔ بعض مقامات کے نام بھی بدل دیئے گئے ہیں مثلاً انگورا سے انقرا، سمرنا سے ازمیر (Izmir) وغیرہ۔ ترکوں نے اپنی کامیابی کے بعد، عربوں سے قطع تعلق کی انتہائی صورت جو ہو سکتی تھی، وہ اختیار کی۔

ترکوں نے جو کچھ کیا محض "وطنیت" کے نشہ میں سرشار ہو کر۔ اس عجیب جذبہ کے ماتحت انھوں نے اس پر مطلق غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ اس جنگ اور تفرقہ سے مسلمانوں کو کس قدر نقصان پہنچے گا۔ مگر جب کبھی یہ نشہ کچھ اترا ہے تو انھوں نے بار بار اس سوال پر بھی غور کیا ہے۔ کاش مسلمانوں کے یہ اختلافات کسی طرح ختم ہو جاتے، تاکہ وہ بڑھتے ہوئے سیلاب سے محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ عرب اور ترکوں میں اتحاد کی بعض کوششیں کی گئیں۔ خالدہ ادیب خانم نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا تھا کہ

[1] ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش صفحہ ۲۰۵

"جب حکومت نوجوان ترکوں کے ہاتھ میں آئی تو یہ بات بالکل ظاہر تھی کہ عثمانی سلطنت، جتنی اب رہ گئی ہے، اس کا قائم رہنا بھی دشوار ہے۔ وہ اگر اپنے بے شمار دشمنوں کا مقابلہ کر سکتی تھی تو صرف اسی صورت میں کہ ترکوں اور عربوں میں اتحاد ہو جائے۔ اس میں شک نہیں کہ عربوں میں قومیت کی تحریک سرایت کر چکی تھی، مگر کہا جاتا ہے کہ محمود پاشا نے، جو خود عربی نسل سے تھے، یہ تجویز پیش کی تھی کہ عربوں اور ترکوں کی متحدہ شاہی حکومت قائم کی جائے اور اس کا دار السلطنت حلب کو قرار دیا جائے۔" (ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش ص ۹۹)

مگر مریض کی حالت نازک ہو چکی تھی، اب کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکتا تھا۔

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا۔ اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے۔ مولانا ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالبعلموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالبعلموں کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں۔

ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

حکمتِ غرب

مارکس اریلیس کے خیالات

(۳)

از جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے

یاد رکھ کہ تمام باتیں صرف رائے ہیں۔ مونیمس کلبی (Montmus the Cynue) کا یہ مشہور بالکل واضح ہے۔ اتنا ہی واضح ہے جتنا کہ مفید، بشرطیکہ ہم اس کے مغز کو اسی حد تک قبول کریں جہاں تک اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

انسان کی روح بہت سے طریقوں سے مسخ ہو سکتی ہے لیکن اس کی بدترین پستی اس کا ایک قسم کی رسولی سی بن جانا ہے گویا ہمارے جسم میں ایک پھوڑا نکل آئی ہے۔ اس صورت میں وہ دنیا میں ایک جزو بیگانہ کی مانند ہے۔ کیونکہ کسی افتاد پر بسکنا اور کوفت کرنا ایک ایسے ناسور میں مبتلا ہونا ہے جو اس ہمہ گیر فطرت سے بالکل بے میل ہے، جس کے ہر جزو میں تمام دوسری فطرتیں شامل ہیں۔

علاوہ ازیں روح اس وقت بھی مسخ ہو جاتی ہے جب کسی کے خلاف اس میں نفرت یا ضرر رسانی کے لئے مقابلہ کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اس قسم کی روحیں ان لوگوں کی ہوتی ہیں جن پر غصہ کا جن سوار ہوتا ہے۔

تیسری صورت روح کے مسخ ہونے کی یہ ہے کہ وہ لذت یا الم کی نذر ہو جائے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ رُوح سراپا مکر اور قول وعمل میں یکسر کاذب بن جائے

پانچویں صورت یہ ہے کہ روح اپنی قوت یا تحریک طبعی کے رخ کو کسی مخصوص مقصد کی طرف متوجہ نہ کرے۔ اس کا عمل غیر منضبط اور وہ خود اپنے فعل سے بے خبر ہو۔ کیونکہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی رُوح کا فرض ہے کہ وہ مقصد پر نظر رکھے ہر اس شے کا مقصد جس میں زندگی اور عقل پائی جاتی ہے، یہ ہے کہ وہ عقل کے ان قوانین سے ہم آہنگ رہے جو قدیم ترین نظام سیاسی یعنی فطرت میں پائے جاتے ہیں۔

حیات انسانی کا پیمانہ ایک ساعت ہے۔ یہ ایک مادہ ہے جس کا مد وجزر دوامی ہے۔ یہ ایک حس بینائی ہے جو مبہم، نا صاف اور صرف ایک سایہ ہے۔ انسان کے جسم کا کالبد نجاست پذیر ہے۔ روح تلاش وتحقیق سے بالاتر ہے، قسمت، ایک تیز و چھری ہے، شہرت صرف ایک فیصلہ ہے جس کی بنیاد فقدان عقل پر ہے، قصہ مختصر، جن چیزوں کا تعلق جسم سے ہے، انھیں پانی کی طرح قرار نہیں اور جن چیزوں کا تعلق روح سے ہے وہ خواب اور ابخرات ہیں۔ زندگی بذات خود ایک جنگ ہے یا اجنبی ملک میں ایک منزل۔ پھر سوال یہ ہے کہ ہماری رہنمائی اور محافظت کون کرے گا؟ اس کا جواب صرف ایک ہے۔ "فلسفہ!" صحیح اور سچا فلسفہ! صحیح اور سچا فلسفہ یہ ہے کہ ہم اپنے اندرونی اور یزدانی وصف پر کاربند ہوں، اس کی پاکی و حرمت برقرار رکھیں، اس کو عیش ونشاط اور کرب واضطراب کی دسترس سے بالاتر رکھیں۔

ہمارے کسی عمل میں اتفاق وامکان کا شائبہ نہ ہونا چاہئے۔ ہمارا عمل کذب سے پاک اور مکر سے بالاتر ہونا چاہئے۔ ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہ ہونی چاہئے کہ کوئی کیا کرتا ہے اور کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ ہم کو ہر انقلاب اور ہر مصلحت الٰہی یوں قبول کرنی چاہئے گویا یہ چیزیں اپنے ہی مولد سے نازل ہو رہی ہیں ہم کو موت کا انتظار ہمہ وقت مسرت کے ساتھ کرنا چاہئے اور ہمارا یہ یقین ہونا چاہئے کہ موت صرف ان عناصر کا منتشر اور پریشان ہو جانا ہے جن پر ہماری زندگی مشتمل ہے۔ اگر عناصر تباہ نہیں ہوتے بلکہ وہ صرف باہم

[illegible] رہتے ہیں تو ہمیں تبدیلی اور تباہی سے کیوں خوف زدہ ہونا چاہئے۔ یہ بات تو فطرت سے بالکل ہم آہنگ ہے اور کوئی بری چیز فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتی!

باب دوم

صرف یہ یاد رکھنا کافی نہیں ہے کہ ہر نیا دن ہماری زندگی کا ایک حصہ گھس کر ختم کر دیتا ہے اور عمود حیات میں تنگی ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہم کو اس بات پر بھی غور کرنا ہے کہ اگر ہمارا رشتہ حیات عرصہ دراز تک قائم بھی رہے تو بھی یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ ہمارا دماغ اپنی قوت مدرکہ اور بالخصوص اس قوت تخیل کو برقرار رکھ سکے گا جو انسانی اور یزدانی حالات سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ فرض کیجئے! [illegible] نے ایک شخص کو دور انحطاط کی آخری منزل پر پہنچا دیا ہے، لیکن ابھی تار نفس جسم سے جدا نہیں ہوا [illegible] قوت بقا، قوت تخیل، قوت تحریک طبعی اس سے رخصت نہیں ہوئی ہے، تاہم یہ بات تو ہے کہ [illegible] بروئے کار لانے، اپنے فرائض کی جملہ ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے، ظاہری صورت وحالات [illegible] کرنے، اہم مسائل بالخصوص یہ طے کرنے کے لئے کہ آیا زندگی کو خیرباد کہنے کے لئے وقت آگیا ہے یا نہیں اور ایسے ہی دوسرے مسائل کے لئے جو تربیت یافتہ ذہانت کی گہری توجہ کے محتاج ہیں، اس کی قوت ذہنی عرصہ دراز سے فنا ہو چکی ہے، پس ہم کو کمر ہمت باندھنی چاہئے صرف اس وجہ سے نہیں کہ ہر نفس [illegible] ہم موت سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے بھی کہ ہماری ذہنی اور استدلالی قوتوں کا [illegible] قریب تر ہوتا جاتا ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فطرت کی ضمنی کارفرمائیوں میں بھی ایک مخصوص پرکشش دلفریبی ہے۔ [illegible] روٹی پکاتے وقت، روٹی کے چھلکے سے کچھ باریک ٹکڑے گر جاتے ہیں جس سے جگہ جگہ ایک قسم کا

خلا پیدا ہوتا ہے جو ہر چند اصول فن کے منافی ہے لیکن باایں ہمہ اس میں ایک عجیب دلکشی ہوتی ہے اور طرفہ یہ کہ یہی خلا اشتہا کی حس کو اکساتے ہیں۔ بعینہ یہی بات انجیر میں پائی جاتی ہے جب وہ بالکل پک کر بیچ سے پھٹنے لگتی ہے۔ بالکل یہی قصہ زیتون کا ہوتا ہے، جب وہ پک جاتا ہے اور اس کے سڑنے کا زمانہ قریب آجاتا ہے تو اس میں ایک پراسرار خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔

ٹھیک یہی چیز ہم اناج کی بالیوں میں دیکھتے ہیں جب وہ زمین کی طرف سرنگوں ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ شیر کی گھنی بالوں والی آنکھوں کی پلکیں، اور جنگلی سور کے جھاگ فشاں جبڑے بھی یہی نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اس قسم کی بے شمار چیزیں ہیں جو بذات خود حسن وخوبصورتی سے بعید سمجھی جاتی ہیں لیکن چونکہ وہ فطرت کی کار فرمائیوں کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے وہ فطرت کے لئے زینت بخش اور دیکھنے والوں کے لئے فرحت بخش ہیں۔ پس وہ شخص جو فطرت کی کیفیات کو محسوس اور ان پر بہ نظر امعان غور کر سکتا ہے اس کو معلوم ہوگا کہ فطرت کی کائنات بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس کا وجود باعث مسرت ہو۔ ایسا شخص زندہ دل شیروں کے کھلے ہوئے جبڑوں کی تعریف وتحسین شیر قالین یا شیر مرمریں کے جبڑوں سے کم نہیں کریگا۔ ایسا شخص کو پیرانہ سالی کی جھریوں میں حسن نظر آئے گا قطع نظر اس سے کہ اس حسن کا حامل مرد ہے یا عورت۔ وہ اپنے پرشباب غلاموں کے حسن کو پاکیزہ اور خالی از جذبات نگاہوں سے دیکھے گا۔ اسکی نگاہیں ایسی بہت سی چیزوں پر پڑیں گی جو عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ یہ ساری چیزیں تو صرف اسکو نظر آئیں گی جو فطرت اور اس کی کار فرمائیوں سے وابستہ اور ہم آہنگ ہے۔

ادبیات

رسالت اور خاصان رسالت

از جناب مولانا اقبال احمد صاحب سہیل اعظم گڑھ

اللہ رے دلفریبی زندان کائنات — چھوٹیں تو مر ہی جائیں اسیران کائنات
اس آب وگل نے شکلے بھی بدلے ہزار رنگ — چھوٹا نہ دست شوق سے داماں کائنات
نکلی نہ آج تک تپش دل کی آرزو — کافی ہوئی نہ وسعت داماں کائنات
کیونکر نہ چشم شوق ہو حیران کائنات — اک میں ہوں اور حسن فراواں کائنات
یہ مہر و ماہ یہ گل و نسریں یہ برق و باد — میرے لئے ہیں سب سر و سامان کائنات
ہاں کھول دے دریچۂ خلوت سرائے دل — گر دیکھنا ہے جلوۂ عریان کائنات
کی اپنی بازیافت تو سب کھل گیا طلسم — ڈھونڈھا کیا عبث سر و پایان کائنات
میں دیکھتا ہوں اب رگ فطرت کی جنبشیں — اللہ رے کیف بادۂ عرفان کائنات
اے مشت خاک دل تری ہمت کے میں نثار — تنکا ہے اور مبارز طوفان کائنات
جوش جنون شوق کا اللہ رے حوصلہ — کرنے چلا ہوں چاک گریبان کائنات
فیض ازل سے سیکھ کے مشاطگی کا فن — سلجھا رہا ہوں زلف پریشان کائنات
سنتی ہے ذرہ ذرہ سے اک داستاں مجھے — میں ہی تو ہوں جہاں میں رمزدان کائنات
خود نقش کا وجود ہے نقاش کی دلیل — ہو چشم دل تو کم نہیں برہان کائنات
جلوہ نقاب میں ہے حقیقت حجاب میں — یہ کشمکش ہے سلسلہ جنبان کائنات

دیکھے تو کوئی خامۂ فطرت کی شوخیاں   آدم کو دی حرارتِ بستان کائنات
اک قطرہ اور قلزم و عماں پہ حکمراں   اک ذرہ اور صاحب فرمان کائنات
آدم کا یہ فروغ ہے اس نور کا طفیل   روشن ہے جس کے دم سے شبستان کائنات

وہ آرزوئے دہر وہ ارمان کائنات   وہ جان کائنات وہ جانان کائنات
وہ کون کلک صانع فطرت کا شاہکار   مقصود کون و شمسۂ ایوان کائنات
مخلوق اور کمال الٰہی کا آئینہ   بندہ مگر وسیلۂ امکان کائنات
وہ جس کا نور باعث تکوین آب و گل   وہ جس کا نام زینت عنوان کائنات
جس کا قدوم بزم عناصر کا آب و رنگ   جس کا ظہور مطلع دیوان کائنات
وہ جس کا نطق وحی الٰہی کا ترجمان   وہ جس کا دین ناسخ ادیان کائنات
وہ جس کی ذات پاک سے ہستی کو افتخار   وہ جس کے دم قدم سے بڑھی شان کائنات
وہ جس کی خاک پا سے مہ و مہر کو فروغ   وہ جس کے جانشین ہیں ارکان کائنات

گلزار دین پاک کا پہلا وہ آبیار   جان بہار جان چمن جان کائنات
وہ صادق و مصدق و صدیق مصطفےٰ   بوبکر وہ گزیدۂ اعیان کائنات
ارکان شرع جس کی خلافت سے استوار   مرصوص جس کے فیض سے بنیان کائنات
وہ جس کا رتبہ سب سے فزوں انبیا کے بعد   ایماں ہے جس کا افضل ایمان کائنات
وہ جس کا سینہ مہر رسالت کا آئینہ   وہ جس کا چہرہ شمع فروزان کائنات
کافر نہیں کہ اس کی امامت میں شک کریں   خود جس کے مقتدی ہوئے سلطان کائنات

پھر ان کے بعد ملک خلافت کا تاجدار   وہ بوریا نشیں شہنشاہان کائنات
وہ شمع حرارت ایماں وہ نور حق   فاروق یعنی مہر درخشان کائنات

جس کا جمال فتح مہمات کی کلید   جس کی نگاہ جنبش مژگان کائنات
جس کو خدا سے مانگ کے پایا رسول نے   یعنی عمر وہ خاصۂ خاصان کائنات
تھا جس کے مشوروں پہ رسالت کو اعتماد   وہ چارہ ساز خلق وہ درمان کائنات
وہ جس کی رائے وحی الٰہی کے فیض سے   پیغام مرگ بادہ پرستان کائنات
وہ جس کا عدل مشعل ارباب سلطنت   وہ جس کا عہد وجہ چراغان کائنات
ایراں میں بھی سنائی دیا شور الجبل   حاجب ہوئے نہ کوہ و بیابان کائنات

ان دو کے بعد تاج خلافت کا مستحق   وہ شمع اصطفا وہ امان کائنات
جس کے حیا و علم پہ حیران ملائکہ   وہ صدر بزم صدر نشینان کائنات
ختن نبی وہ صاحب نورین وہ غنی   سیراب جس کے فیض سے پاکان کائنات
جس کی چمک سے تاج خلافت کو فخر تھا   وہ آب دار گوہر عمان کائنات
قلزم محیط کرم آفتاب فیض   کشور کشائے مصر وہ خاقان کائنات
حسن صبیح مہبط انوار لم یزل .....   قد بلند سرو خیابان کائنات
طاقت کے ساتھ صبر و تحمل کا یہ کمال   کھاتے ہیں اس پہ رشک شہیدان کائنات

ان سب کے بعد اوج امامت کا آفتاب   وہ بوتراب چارم ارکان کائنات
زوج بتول سید عالم کا ابن عم   مرحب شکار شیر نیستان کائنات
وہ قاسم فیوض در علم مصطفےٰ   معمور جس کے نغموں سے ایوان کائنات
روشن ہے جس کے فیض سے دنیا قلوب کی   سرتا قدم وہ سرو چراغان کائنات
وہ جس کی شمع خانہ جگر گوشۂ رسول   وہ جس کے لال سنبل و ریحان کائنات

خاصان حق کے صدقے میں بخشا گیا بتیل
وہ کس مخز بضاعت دکان کائنات

تلخیصات

قرآن کی قولی وعملی تفسیر

ایک کے مافی الضمیر کی تشریح دوسرے کی زبان سے کتنا مشکل کام ہے، پھر جب کسی انسانی قول کی تشریح میں اتنا اشکال ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی تشریح اس کے بندوں کی زبان وقلم سے جتنا مشکل ہے، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ قرآن پاک کی کوئی تفسیر کبھی مکمل نہیں ہو سکتی کیونکہ شارح کے لئے ضروری ہے، کہ وہ ماتن سے زیادہ علم رکھتا ہو، ورنہ کم سے کم اس کے برابر تو ہو اور اس کا تصور بھی کسی بندہ میں قرآن اور صاحب قرآن کی نسبت سے نہیں کیا جا سکتا۔

شارح اور مفسر کا کام یہ ہے کہ ماتن کے اختصار کی تفصیل اور اجمال کی توضیح کرے، اس کے کلام سے دلیل کی دلیل دے، اس کی بات پر کوئی شبہ یا اعتراض پیدا ہو تو اس کو دور کرے، اس کے نقطوں کی گرہ کھولے، ترکیبوں کی پیچیدگی کو صاف، اور مطلب کی دشواریوں کو حل کرے، قولوں میں کہیں تضاد نظر آئے تو ان میں تطبیق دے اور اس کے ایک قول سے دوسرے قول کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

یہ اور اسی قسم کے اور طریقے ہیں جن سے انسانوں کے کلام کو سمجھتے اور ان کی دشواریوں کو حل کرتے ہیں، لیکن قرآن پاک کی تفسیر میں ان طریقوں کے علاوہ کچھ اور طریقے بھی ہیں جو قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قرآن خدا کا کلام ہے، جو ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کرکے ملک عرب میں فصیح وبلیغ عربی زبان میں خدا کے ایک برگزیدہ بندہ پر اترا، اس میں نظریئے بھی تھے، اور عملی تعلیمات بھی، اس نے ان نظریوں کو خدا کے بندوں کو سمجھایا اور ان عملی تعلیمات کو عملاً کرکے اور برت کے اپنے آس پاس والوں کو دکھایا، اور بتایا

[illegible] کہ وہ اس کلام کا پہلا مخاطب تھا، اور اسی کے ذریعہ اس کلام کا مطلب دوسروں کو سمجھانا تھا، اسلئے ماننا پڑے گا کہ وہی اس کلام کے مطلب کو سب سے بہتر سمجھ سکتا تھا اور اسی لئے وہ اس کلام کا جو مطلب سمجھا اور اپنی فہم اور عمل سے اس نے دوسروں کو جو سمجھایا وہی اس کا صحیح اور بے خطا مطلب اور مفہوم ہے، اس لئے قرآن پاک کے سمجھنے کے لئے حامل قرآن محمد رسول اللہ صلعم کی قولی وعملی تفسیر سے بہتر قرآن کی تفسیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا، رسول کی قولی وعملی تفسیر سنت ہے، اور قرآن کتاب، سنت اور کتاب اسلام کے وہ بنیادی پتھر ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے،

حامل قرآن علیہ السلام کے بعد قرآن کی فہم میں ان سے تربیت اور فیض پائے ہوئے اشخاص کا مرتبہ ہے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی زبان وحی ترجمان سے ان آیتوں کو سنا، آیتوں کے ماحول کو جانا اور جو اس فضا سے آشنا تھے جو آیتوں کے نزول کے وقت موطن وحی میں جلوہ گر تھی۔ اس کے بعد تابعین کا گروہ ہے جنہوں نے صحابہ سے اس فیض کو حاصل کیا، اور خاص طور سے قرآن پاک کی تعلیم اور تعلم کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا، دن رات وہ اس کے ایک ایک لفظ کی تحقیق، اور اس کے لغوی وصرفی ونحوی ترکیبوں کا حل، اور کلام [illegible] سے ہر قرآنی محاورہ کی تطبیق کرتے تھے۔

آجکل بعض عقلیت پسندوں کا میلان ادھر ہے، کہ وہ اس طریقہ تفسیر کو روایتی سمجھکر اسکی تحقیر کریں حالانکہ وہ دوسری حیثیتوں کو چھوڑکر اگر صرف زبان کے ماہر اور واقف کار ہی کی حیثیت سے ان مفسرین بالروایۃ کو دیکھا جائے تو بھی ان کا مرتبہ ہم سے آپ سے بمراتب اونچا ہوگا، یہ کوئی قدامت پرستی کی بات نہیں ہے بلکہ واقعہ کا حقیقی پہلو ہے۔

(اقتباس از معارف)

منشی پریم چند کی نئی کتاب

واردات

منشی پریم چند آنجہانی کے ان افسانوں کا مجموعہ ہے، جو مختلف رسائل میں منتشر تھے۔ افسانے کیا ہیں، ہماری معاشرت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں اور اس کا اندازہ آپ کو ان افسانوں کے عنوانات سے ہوجائے گا۔

شکوہ شکایت، معصوم بچہ، بدنصیب ماں، رشاتی، روشنی، مالکن، نئی بیوی، گلی ڈنڈا، سوانگ، انصاف کی پولیس، غم نداری، مفت کرم داشتن، قاتل کی ماں۔

نہایت عمدہ گرد پوش مجلد عہ

مضامین رشید۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی (مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) اردو کے چند منتخب لکھنے والوں میں ہیں خصوصاً انکی مزاحیہ نگاری ملک کے ہر طبقے میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کرچکی ہے۔ آپ کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ ان کے مضامین کا ایک مجموعہ ستمبر ۱۹۳۶ء میں مکتبہ نے شائع کیا ہے۔ یہ مضامین کیا ہیں دریائے لطافت سے سینچی ہوئی کشت زعفران، تروتازہ، شاداب، فرحت بخش، کتابت، طباعت اور ظاہری خوشنمائی میں بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد ع

بچوں کی نئی کتابیں۔ لال مرغی ۲ر، چھوڑ دو ۳ر، عقاب ۴ر، انسانی مقابلہ ۵ر، دنیا کے بچوں ۲ر، کائنات ۴ر، جگنو کا بلی، بوڑھی کڑھائی سے نکل گئی ۲ر

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ، دہلی، نئی دہلی، لاہور

تفسیر سورۃ الفیل

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ الفیل کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی بر فصل ایک مستقل کتاب ہے، واقعۂ فیل کی اصل حقیقت اس کتاب کی اشاعت سے پہلے بالکل مجہول تھی، علامہ فراہی نے کلام عرب کی مدد سے واقعہ کی تمام تفصیلات فراہم کرکے تمام تاریخی غلطیوں کو بے نقاب کردیا ہے۔ واقعہ طیر کو بھی عجائب پرستی نے بالکل دوسرا رنگ دیدیا تھا۔ مولانا نے اس واقعہ کے متعلق بھی عینی شاہدوں کی شہادتیں جمع کرکے اس کی اصل حقیقت کو آشکارا کردی ہے اور اسی سلسلہ میں رمی جمرات اور حج کے دوسرے مراسم کے اسرار و حکم نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ عمدہ حجم ۱۱۳ صفحے۔ قیمت ۸ر

تفسیر سورۂ کافرون

اس میں ہجرت اور برأت کا اصل فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ اور نبوت کے مراحل و مقامات کی توضیح اس قدر حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی بے شمار مشکلات آپ سے آپ حل ہوگئی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ عمدہ، تقطیع ۳۰×۲۰/۱۶ ضخامت ۴۸ صفحے قیمت ۴ر

اسباق النحو حصہ اول و دوم

اردو زبان میں عربی صرف و نحو کے بہترین رسالے ہیں۔ قیمت حصہ اول ۵ر حصہ دوم ۶ر

تحفۃ الاعراب

اردو زبان میں عربی نحو کے مسائل نہایت بہترین طریقے سے بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

منیجر